نفیرِ غم

سیماب اکبرآبادی
ناشر
مکتبۂ قصر الادب آگرہ

نمبر ۱۱ سلسلۂ مطبوعات مکتبۂ قصر الادب آگرہ

بارِ اوّل ستمبر ۱۹۲۳ء

بارِ دوم دسمبر ۱۹۲۸ء

مطبوعہ

آگرہ اخبار برقی پریس آگرہ

حسینؑ!
خورشیدِ جہانِ جاوداں است حسینؑ
۱۹۲۲ء
۱۳۴۱ھ

فہرست

سلام

خمسے

خطبۂ صدارت

مسالمہ

منعقدہ

۷؍ فروری سنہ ۱۹۴۲ء مطابق ۲۰؍ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۱ھ

آگرہ

خونابۂ دل سے مجرائی سُرخ آنسو پیدا کرتے ہیں
ہم ماضی کے افسانوں کو عنوان مُہیّا کرتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

شہیدوں کی یادگاریں

محبانِ اہلِ بیتؓ!

میں اِس "مسالمے" میں آپ کے اِس اجتماعِ کثیر اور جوشِ عقیدت سے بیحد متاثر و مسرور ہوں اور اِس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اِس مقدس اجتماع کی صدارت کا منصب دے کر آپ نے مجھے بہت بڑی عزت عطا فرمائی۔ آج اِس حیلۂ لطیف سے مجھے بھی اپنے خیالات کے اظہار کا موقع مل گیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ذٰلِکَ۔

میرے خطبے کا موضوع ہے "شہیدوں کی یادگاریں" اور اِس خطبہ کے مخاطب صحیح

صرف اہلِ سنّت والجماعت ہیں۔

برادرانِ اسلام!

ہم یہاں اِس لئے جمع ہوئے ہیں کہ اہلِ بیتِ رسولؐ اور شہدائے ماضی کی قربانیوں پر صلوٰۃ وسلام کے پھول نچھاور کریں۔ تاریخِ ملّتِ اسلام کا کوئی صفحہ ایسا نہیں جس پر قربانی کے نقوش ثبت نہ ہوں۔ قربانی کے کئی مدارج ہیں۔ نفس کی قربانی، مال کی قربانی اور جان کی قربانی۔ یہ مدارج مخلوق کے نہیں بلکہ خالقِ کائنات کے مقرّر کردہ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط

یعنی "ہم کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال، جان اور پھلوں کی کمی سے تمہارا امتحان لیں گے"۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ اِس آیہ میں لفظ "کُم" کی ضمیر عام مسلمانوں کی طرف راجع ہے۔ اِس میں کسی کی تخصیص نہیں۔ یعنی یہ ارشاد نہیں ہوا کہ ہم "تم میں سے کسی کا امتحان لیں گے۔ یا تم میں سے جو نبی یا ولی اور اوتار ہوں گے۔ انھیں کا امتحان لیا جائے گا" بلکہ لفظ "کُم" تمام مسلمانوں پر حاوی ہے۔ یہ تخاطب بالخصوص مسلمانوں ہی سے ہے

اِس لئے کہ جس رکوع کی یہ تیسری آیت ہے۔ اِس کی پہلی آیت میں (یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) موجود ہے یعنی "اے ایمان والو" ہمارا خطاب تم سے ہے۔

یہ تو ثابت ہو چکا کہ قربانی ہر دعویدار ایمان کا فرض ہے۔ اب اس سے پہلے کی آیت پر غور کیجئے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط

یعنی "جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں اُن کو مردہ نہ کہو۔ اسمیں بھی کسی کی تخصیص نہیں۔ خدا کی راہ میں زید۔ عمرو بکر۔ جو بھی قتل کیا جائے وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے"

یہاں تک دو باتیں قرآنِ مجید سے ثابت ہو چکیں۔ ایک یہ کہ قربانی ہر مسلمان کا فطری فرض ہے۔ دوسری یہ کہ خدا کی راہ میں قتل ہونے والا ہر شخص زندہ رہتا ہے۔ اِن دونوں باتوں کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھئے۔

اب میں لفظِ "شہادت" کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ "شہادت" کا لفظ سنتے ہی ہمارے خیال میں کسی شخص کا راہِ خدا میں قتل ہونا متیقّن ہو جاتا ہے گویا لفظِ شہادت "قتل" کا مترادف ہے۔ "شہادت" کے لغوی معنی گواہی دینا

حاضری امرِ حق پر مرنا اور وحدتِ الٰہی و رسالتِ رسالت پناہی کا اعتراف ہے یہ اِس قدر جامع لفظ ہے کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا لفظ خدا کی وحدت اور رسول کی رسالت، خدا کی راہ میں امرِ حق پر جان دینے والوں کے لئے مل ہی نہیں سکتا۔ بناءً علیٰ ہذا۔ لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ کے معنی کا احاطہ صرف لفظِ "شہید" ہی کر سکتا ہے اب اس آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوئے "کسی شہید کو مردہ نہ کہو" بَلۡ اَحۡيَآءٌ) بلکہ ہر شہید زندہ ہے (وَّلٰـكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ) لیکن تم سمجھ نہیں سکتے۔

خدائے تعالیٰ عزّ اسمہٗ نے تو صرف یہ فرمایا کہ تم شہدا کی حیاتِ بعد الموت کا راز نہیں سمجھ سکتے۔ مگر میں عرض کروں گا کہ مسلمانوں نے "شہید" کو بھی نہیں سمجھا۔ قرآن مجید نے شہید کی جو عمومیت قائم کر دی تھی اُسے خصوصیت دیدی۔ آج مسلمان صرف امام حسین علیہ السلام کو شہید سمجھتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ اُن کی اولاد کو۔ یہ ذہنیت دانستہ پیدا کی گئی ہے۔ جسے بے علمی اور عقیدت نے قبول کر لیا ہے۔ ان کے علاوہ جو لوگ فی سبیل اللہ شہید ہوئے اُن کی قربانی اور اُنکی شہادت گویا کوئی چیز ہی نہیں۔ کیا یہ سمجھنا قرآن شریف کی تعلیم کے خلاف نہیں ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ قربانی ہر مسلمان کا فرض ہے اور ہر وہ شخص جو خدا کی راہ میں قربانی دے اور شہید ہو جائے وہ شائستہ بشارت ہے اور مسلمان سمجھتے ہیں کہ یہ بشارت

صرف امام حسین علیہ السّلام کے لئے ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام علیہ السّلام کے علاوہ اور ایسے کون لوگ ہیں جو معیارِ قرآنِ مجید پر "شہید" کہے جاسکتے ہیں تو اس کا جواب میں پہلے ہی عرض کرچکا ہوں کہ تاریخ اسلام کے ہر صفحہ پر خونِ شہادت کے قطرے نمایاں نظر آتے ہیں۔ اگر ہم بصیرت کی آنکھوں سے دیکھیں تو ہمیں حسین علیہ السّلام سے پہلے بھی اور اُن کے بعد بھی بہت سے "حسین" مظلومیت اور فدایت کے خونیں پیراہنوں میں ملبوس نظر آئیں گے۔

کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، شہید نہ تھے؟ کیا ان کے واقعات و حالات اِن آیات کے معیار و مفہوم پر پورے نہیں اُترتے؟ اگر اِن سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر اِن حضرات کی یادگاریں کیوں نہیں منائی جاتیں۔ اور ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے کے لئے مجالس کا انعقاد کیوں نہیں ہوتا؟

تعلیمِ قرآن کے مطابق، میں شہادتِ کبریٰ اور شہادتِ صغریٰ کا قائل نہیں۔ شہادت حضرتِ عمرؓ کی ہو، حضرت عثمانؓ کی ہو، حضرت علیؓ کی ہو یا

حضرت امام حسین علیہ السلام کی لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے حکم میں آ کر سب شہادتیں برابر ہو جاتی ہیں۔ لیکن اگر متعلقاتِ شہادت کا اثر نفسِ شہادت پر پڑتا ہے تو میرے خیال میں اصحابِ رسولؐ کی شہادتیں بھی کسی طرح کم اثر نہ تھیں۔ میں ان شہادتوں کا ذکر مفصلاً نہیں بلکہ بہت اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ سنئے:۔ مغیرہ بن شعبہؓ کے ایک پارسی غلام فیروز نے اپنے آقا پر بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت حضرتِ عمرؓ سے کی۔ چونکہ شکایت معمولی اور بیجا تھی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے توجہ نہ فرمائی۔ بھلا یہ بھی کوئی جرم تھا! مگر فیروز جو ایک غلام تھا۔ اس پر ناراض ہو گیا اور صبح کی نماز میں خنجر لے کر آپ پر اچانک حملہ کر دیا۔ اور متواتر چھ وار کئے حضرتِ عمرؓ زخموں کے صدمے سے گر پڑے اور صرف تین دن زندہ رہ کر یکم محرم ۲۴ھ کو ہفتہ کے دن وصال فرما گئے۔

یہ وہ عمرؓ تھے جنھوں نے غلاموں کے ساتھ بھی مساوات کا سلوک کیا تھا سنہ ۱۸ھ میں جب سرزمین عرب میں بہت سخت قحط پڑا تو آپ نے قحط زدہ علاقوں میں غلے اور سرکے کی تقسیم کا بطورِ خاص انتظام فرمایا اور اعلان

کر دیا گیا ہے میں نے ہر مسلمان کے لئے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کر دیا ہے۔" اِس پر ایک شخص نے پوچھا کہ امیر المومنین! کیا غلاموں کو بھی اتنا ہی ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں غلاموں کو بھی اتنا ہی دیا جائے گا۔" اور سنئے۔ حضرت عمرؓ نے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی تمام عربی غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اور قانون بنا دیا کہ "اہلِ عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔" گو عام غلاموں کو آزاد کر دینا بہت مشکل تھا۔ مگر ان کے ساتھ بھی بہترین مراعات روا رکھی گئیں۔ مجاہدین کی تنخواہیں مقرر ہوئیں تو ان کے غلاموں کی تنخواہیں بھی مقرر کی گئیں۔ ایک شخص نے آپ کی دعوت کی تو آپ صرف اس لئے برافروختہ ہو کر اٹھ گئے کہ اس نے اپنے غلاموں کو دسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت نہ دی تھی۔ آپ نے حکم دے دیا تھا کہ کوئی غلام اپنے عزیزوں سے جدا نہ کیا جائے۔

جب آپ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اسامہ بن زید کی تنخواہ جو کبھی پہلے غلام تھے۔ اپنے بیٹے عبداللہ کی تنخواہ سے بھی زیادہ مقرر کی

خیال فرمایئے کہ جو شخص غلاموں کی آزادی، خوشحالی اور برتری کے لئے قانون بنائے وہ ایک غلام ہی کے ہاتھ سے شہید کر دیا جائے۔ کیا یہ حادثہ

الم انگیز اور عبرت خیز نہیں ہے؟۔

اس کے بعد حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دل ہلا دینے والے واقعاتِ شہادت پر غور کیجئے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے بارہ برس خلافت کی اس تمام زمانے میں فتوحات کی کثرت، مالِ غنیمت کی فراوانی۔ وظائف کی وسعت، زراعت و تجارت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ انتظام نے تمام ملک میں تموّل، فارغ البالی، خوش حالی اور عیش و عشرت کو عام کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض پیٹ بھرے لوگ اپنی جماعتی فلاح و برتری کے لئے خلافتِ عثمانؓ اور خود حضرت کی ذات کے خلاف ہو گئے۔ اس وقت کابل سے لیکر مراکش تک اسلامی حکومت تھی۔ امامت و خلافت کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کے زمانے سے، خاندانِ قریش کو مخصوص کر دیا گیا تھا بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر انھیں کو ملتے تھے۔ عام عربی قبائل کا مطالبہ یہ تھا کہ فتوحات میں ہماری تلوار کا حصہ بھی ہے۔ اس لئے قریش اور غیر قریش میں امتیاز نہ ہونا چاہئے ہمیں بھی عہدے ملنے چاہئیں اور حکومت کے تمام شعبوں میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہئے۔

احساس تو صرف اتنا ہی تھا لیکن اس دور کے یہودیوں اور مجوسیوں نے اس احساس سے غلط فائدہ اٹھایا اور سازش کر کے حضرتِ عثمانؓ کے خلاف

مسلمانوں کو مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ مصر اِس سازش کا سب سے بڑا مرکز بنا۔ عبداللہ بن سبا نے جو نو مسلم یہودی تھا مفسدوں کو ایک مرکز پر جمع کر لیا۔ اور حضرت عثمانؓ پر طرح طرح کے الزامات لگائے جانے لگے۔ رفتہ رفتہ بصرہ، کوفہ اور مصر کے مفسدوں نے باہمی قرارداد کے بعد حاجیوں کے بھیس میں مدینۂ منوّرہ کا رُخ کیا تاکہ اپنے مطالبات بالمواجہ منوائیں۔

جب حضرتِ عثمانؓ کو علم ہوا کہ مخالف جماعتیں مدینہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر جمع ہو گئی ہیں۔ تو آپ نے حضرت علیؓ کو بلا کر اُن سے کہا کہ اِن لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیجئے۔ میں اِن کے جائز مطالبات ماننے کے لئے تیار ہوں چنانچہ حضرت علیؓ کی کوشش سے مفسدین اُس وقت واپس چلے گئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد مدینہ کی گلیاں تکبیر کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سے پھر گونجنے لگیں۔ صحابہؓ گھروں سے باہر نکلے تو دیکھا کہ باغی شہر میں داخل ہو گئے ہیں اور "انتقام انتقام" کی صدائیں ہر طرف بلند ہیں۔

سب سے پہلا مطالبہ اُن لوگوں کا یہ تھا کہ حضرتِ عثمانؓ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ لیکن آپ نے اِس سے انکار کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کے انکار کرنے پر فساد کرنے والوں نے نہایت شدّت کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے

گھر کا محاصرہ کر لیا۔ جو چالیس دن تک مسلسل جاری رہا۔ اِس تمام عرصے میں گھر کے اندر پانی تک پہونچانا جرم تھا۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں لیجانا چاہیں تو باغیوں نے ان سے بھی مزاحمت کی اور اُنھیں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

بڑے بڑے صحابہ مثلاً عبد اللہ بن سلامؓ ابو ہریرہؓ، سعد بن وقاصؓ اور زیدؓ بن ثابت کی بھی کسی نے نہ سُنی اور اُن کی توہین بھی کی۔ حضرت علیؑ نے امیر المومنینؓ سے ملنا چاہا تو لوگوں نے اُن کو بھی روک دیا۔

حضرت امام حسن علیہ السّلام حضرت عثمانؓ کے گھر کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت حسین علیہ السّلام بھی اِس خدمت پر مامور تھے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ گھر میں اُن لوگوں کی قیادت کر رہے تھے جو جاں نثارانہ طور پر جمع تھے۔ اور جن کی تعداد سات سو تھی

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باغیوں کو ہر چند سمجھانے کی کوشش کی اپنے اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے تعلقات و مراسم پر بھی روشنی ڈالی سب نے آپ کی عظمت کو تسلیم کیا۔ مگر دلوں میں بغاوت کی آگ بدستور بھڑکتی رہی۔

جب باغیوں میں قتل کے منصوبے ہونے لگے تو حضرتِ عثمانؓ سے اُن کے جاں نثاروں نے عرض کیا کہ یا تو ہمیں اِن کا مقابلہ کرنے کی اجازت دیجئے یا دوسری طرف کی دیوار توڑ کر آپ اِس محاصرے سے نکل جائیے اور مکۂ معظمہ چلے جائیے آپ نے فرمایا کہ میں اِن سے جنگ کر کے وہ پہلا خلیفۂ رسولؐ نہیں بننا چاہتا جس کے کارناموں میں لکھا جائے کہ اُس نے اُمتِ محمدیؐ کی خونریزی کی اور اگر مکۂ معظمہ چلا بھی جاؤں تو مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ حرمِ الٰہی کی توہین سے بھی باز نہ آئیں گے۔

غرض کہ بات جہاں تھی وہیں رہی۔ باغیوں کے مفسدانہ جذبات اپنی آخری حد پر پہونچ گئے۔ جمعہ کا دن تھا حضرت عثمانؓ روزے سے تھے۔ آپ نے ایک پاجامہ جسے کبھی نہ پہنا تھا پہنا۔ اپنے بیسؓ غلاموں کو آزاد کیا، اور قرآن مجید کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے۔ حضرت امام حسنؓ دروازے پر زخمی ہوئے۔ باغیوں کے آگے محمد بن ابی بکرؓ (حضرت ابو بکرؓ کے چھوٹے صاحبزادے) تھے جو حضرت علیؓ کی آغوشِ تربیت کے پروردہ تھے اور اب کوئی بڑا عہدہ نہ ملنے کے سبب حضرت عثمانؓ کے دشمن ہو گئے تھے) اُنھوں نے آگے بڑھ کر

حضرت عثمانؓ کی ڈاڑھی پکڑلی اور زور سے کھینچی۔ کنانہ بن بشر نے آپ کی پیشانی پر لوہے کی ایک سلاخ اس زور سے ماری کہ آپ پہلو کے بل گر پڑے اور زبان سے بسم اللہ توکلت علی اللہ فرمایا۔ سودان بن حمران مرادی نے دوسری ضرب لگائی جس سے آپ نیم مردہ ہو گئے اور خون کا فوارہ آپ کے جسم سے جاری ہو گیا۔ عمرو بن الحمق سینے پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر نیزے کے ۹ زخم لگائے۔ آخر ایک اور شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ وفادار بیوی حضرت نائلہؓ نے جو آپ کے پاس بیٹھی تھیں یہ وار اپنے ہاتھ پر روکا۔ آنکی تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں۔ مگر تلوار کا وار پھر بھی خالی نہ گیا اور آپ شہید ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ چونکہ تلاوتِ قرآن کر رہے تھے۔ اس لئے آپ کا خون قرآن پر بھی گرا۔ جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت ہوئی۔ دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ آخر سنیچر کا دن گزرنے کے بعد رات کو بغیر غسل و کفن انھیں خون میں لتھڑے ہوئے کپڑوں کے ساتھ جو آپ وقتِ شہادت پہنے ہوئے تھے آپ کا جنازہ چار آدمیوں نے اُٹھایا۔ کُل سترہ آدمیوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اور جنت البقیع کے پیچھے آپکو دفن کر دیا۔

حضرات! اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کیا یہ مظلومانہ شہادت خون کے

آنسو رلانے کے لئے کافی نہیں ہے؟ یہی وہ پہلا حادثہ ہے جس نے متحدہ اسلام کو شیعہ، سنی، خارجی اور عثمانی، چار فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اسی سے اسلام میں وہ تفرقہ پڑ گیا۔ جو اب قیامت تک نہیں مٹ سکتا۔

یہ فیصلہ کہ یہ تفرقہ اب قیامت تک نہیں مٹ سکتا، لفظی مبالغہ نہیں ہے بلکہ امر واقعہ ہے۔ تیرہ سو برس کی ضخیم تاریخ کو نظر انداز کرکے آپ صرف موجودہ زمانے پر نظر ڈالئے جس میں ہم اور آپ ابھی سانس لے رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ آتشکدہ جو آج سے صدیوں پہلے مسلمانوں کے اختلاف نے روشن کیا تھا اور جسے اُن کے بعد آنے والی نسلوں نے ہوا دے دے کر قائم رکھا اُس کی چنگاریاں آج بھی نہ صرف عرب، عراق اور شام میں بلکہ سرزمینِ ہند پر بھی مختلف صورتوں میں اُڑ رہی ہیں۔ ہستی کے خرمن جلا رہی ہیں۔ اور قیامت تک باقی رہنے کے آثار اِن میں اب بھی پائے جاتے ہیں۔

یہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ جو اِس قسم کے جہنمی آتشکدوں کا حامل ہونے کے بعد بھی بدستور اپنی نورانی کرنوں میں محفوظ ہے۔ کوئی دوسرا مذہب ہوتا تو اب تک اِن فضا سوز چنگاریوں میں جل کر خود بھی خاکستر ہو جاتا۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سُن لیجئے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر کس قسم کے

خیالات کا اظہار کیا گیا۔

جب حضرت علیؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا "الٰہی! میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں"۔

سعید بن زید بن عمرو بن نفیل جو حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے کہنے لگے:۔

"لوگو! اگر کوہِ اُحد تمہاری اِس بداعمالی کے سبب تم پر ٹوٹ پڑے تو حق بجانب ہے"

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا:۔ "عثمانؓ کے قتل سے اسلام میں ایسا رخنہ پڑ گیا جو قیامت تک پُر نہ ہو گا"۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا:۔ "اگر تمام خلقت عثمانؓ کے قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوطؑ کی طرح آسمان سے اس پر پتھر برستے"۔ ابو حمیدؓ ساعدی صحابی نے قسم کھائی کہ "میں جب تک جیوں گا مجھ پر ہنسنا حرام ہے"۔ عبداللہؓ بن سلام صحابی نے کہا۔ "آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا"۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا "عثمانؓ مظلوم مارے گئے"۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کی آنکھوں سے تمام دن آنسو جاری رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ جب اس سانحہ کا ذکر آجاتا تو آپ بے اختیار رونے لگتے۔

جب حضرت عثمانؓ کا خون سے رنگین کرتا اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں امیر معاویہؓ کے پاس شام پہونچائی گئیں تو بھری مجلس سے انتقام انتقام

کی آوازیں آنے لگیں! یہ تھا مسلمانانِ عرب کے ماتم کرنے کا عملی طریقہ۔
اب حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی شہادت کو لیجئے۔
حضرتِ عثمانؓ کی شہادت سے جو فتنہ پھیلا۔ اُس کے خلاف عراق میں ایک مرکز قائم ہو گیا۔ اور جب حضرت علیؓ خلیفہ رسولؐ مقرر ہوئے تو اُن پر مندرجہ ذیل اعتراضات کئے گئے:۔
(۱) یہ کہ حضرت علیؓ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہ دی
(۲) یہ کہ اپنی خلافت میں حضرتِ عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا۔
(۳) یہ کہ حضرتِ عثمانؓ کے مقررہ تمام عمّال کو برطرف کر دیا۔ اور اُن کی جگہ کاشانۂ عثمانؓ کا محاصرہ کرنے والوں کو قوّتِ بازو بنا کر بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا۔
جو لوگ برطرف ہوئے وہ سب امیر معاویہؓ سے جا ملے۔ قمیصِ عثمانؓ اور حضرتِ نائلہؓ کی انگلیاں دمشق کی جامع مسجد میں لٹکا دی گئیں۔ اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں جوشِ انتقام پیدا کیا گیا۔ ہزاروں عرب حضرت علیؑ کے خلاف ہو کر امیر معاویہؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔
اِس عہد کے مسلمانوں نے جنابِ رسولِ کریمؐ کی اِس حدیث کو بھلا دیا

جس کا مفہوم یہ تھا کہ "کسی مرنے والے کی برائی نہ کرو اس سے اس کے متعلقین کی دل آزاری ہو گی اور وہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے"۔

کتنی نفسیاتی تعلیم تھی۔ اگر حضرتِ عثمانؓ کے عہدِ خلافت پر اعتراضات نہ کئے جاتے اور قاتلوں سے شریعتِ اسلام کے مطابق بدلہ لیا جاتا تو یہ فتنہ وہیں ختم ہو جاتا مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔

سب سے پہلے حضرتِ عائشہؓ کی قیادت میں بعض مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا چاہا اور حضرتِ علیؑ اور اُن کے ہمراہیوں سے جنگ کی یہ لڑائی "جنگ جمل" کے نام سے مشہور ہے۔ اس لڑائی میں حضرتِ عائشہؓ جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سب سے زیادہ محبوب بیوی تھیں بہ نفسِ نفیس اونٹ کے ہودے میں تشریف رکھتی تھیں۔ گو جناب مرتضیٰؑ نے امّ المومنین کے احترام میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔ تاہم جنگ ضرور ہوئی۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ سے شام کے علاقوں میں مہینوں جنگ ہوتی رہی۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ مگر اس خانہ جنگی کا کسی طرح فیصلہ نہ ہوا۔

جنگِ صفین کا مختصر واقعہ بھی بطور جملہ معترضہ سُن لیجئے۔

جب حضرت علی کرم کی فوج صفین پہونچی تو اُسے پانی نہ ملنے کی وجہ سے بڑی دقت پیش آئی۔ دریا پر ابوالاعور نے پہلے سے قبضہ کرلیا تھا حضرت علی کرم نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کرکے بزور دریا پر قبضہ کرلیا جائے۔ چنانچہ سب نے ایک ساتھ حملہ کردیا۔ آخر کار ابوالاعور اور عمرو بن العاص کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور تمام گھاٹ پر حضرت علی کرم کی فوج کا قبضہ ہوگیا۔ اب جو دقت پہلے امیرالمومنین رض کی فوج کو تھی وہی امیر معاویہ رض کی فوج کو پیش آئی۔ لیکن جناب مرتضیٰ کی حمیتِ انسانی نے کسی کو تشنہ دہن رکھنا گوارا نہ کیا۔ اور شامی فوج کو بھی سیراب ہونے کا موقع دے دیا۔ چنانچہ دونوں فوجیں ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگیں اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہوگیا کہ صلح کے آثار نظر آنے لگے۔

مگر کس قدر افسوس اور عبرت کا مقام ہے کہ امیر معاویہ رض کے بیٹے یزید نے اس رواداری کا بالکل خیال نہ رکھا۔ جناب امیر رض نے تو ہزاروں پیاسوں کو دریا سے سیراب ہونے کی اجازت دیدی اور یزید صرف بہتر ۷۲ مہمانانِ کربلا سے بھی انسانیت کا سلوک روا نہ رکھ سکا۔ افسوس!

جب معاملہ کسی طرح طے نہ ہوا تو جنگ صفین اور واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر جمع ہو کر ان مسائل پر از سر نو گفتگو کی بحث و مباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ جب تک تین آدمی یعنی حضرت علی کرم، امیر معاویہؓ اور عمرو ابن العاصؓ زندہ ہیں اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ چنانچہ ان تینوں کو قتل کرنے کے لئے تین آدمی مقرر کئے گئے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے کہا کہ میں علی کرم کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں۔ اسی طرح نزال نے امیر معاویہؓ کے اور عبداللہ نے عمرو ابن العاص کے قتل کا بیڑہ اٹھایا اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے۔ ابن ملجم کے ارادے کو قطام نامی ایک خارجی عورت نے اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ اس نے ابن ملجم سے شادی کرنے کا وعدہ کیا اور اسنے جناب مرتضیٰؓ کے خون کو مہر قرار دیا۔

غرض رمضان سنہ ۴۰ھ میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کی نماز کے وقت حملہ کی تیاری کر دی۔ امیر معاویہؓ اور عمرو ابن العاص اتفاق سے بچ گئے۔ امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا۔ عمروؓ ابن العاص اس دن خود امامت کے لئے نہیں آئے۔ ایک اور شخص ان کا قائم مقام بن کر آگیا اور

وہ اُن کے دھوکے میں مارا گیا۔ لیکن جنابِ مرتضیٰؑ خود مسجد میں تشریف لائے۔ ابنِ ملجم وہاں پہلے سے سو رہا تھا۔ آپ نے اُسے جگایا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سر سجدے میں تھا کہ ابنِ ملجم نے تلوار کا بھرپور وار کر دیا۔ تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ اِس لئے نہایت تیزی کے ساتھ اُس کا اثر تمام جسم میں پھیل گیا۔ اور اُسی روز یعنی ۲۰ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ جمعہ کی رات کو یہ خلافت و قیادت کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

آپ کے بعد خلافت کا حق آپ کے بڑے لڑکے حضرت حسن علیہ السّلام کو پہنچتا تھا۔ مگر مدبرینِ ملت نے سوچا کہ اب منصبِ خلافت اختلاف و اعتراض کی حد تک پہونچ چکا ہے۔ اِس لئے اِس عنوان ہی کو ختم کر دینا چاہئے۔ چنانچہ اکثریت تو قطعاً گوشہ نشیں اور خاموش ہو گئی۔ لیکن اقلیت نے جنابِ امام حسن علیہ السّلام کو اپنا "امام" تسلیم کر لیا۔ مخالفینِ علیؑ اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک کسی ایک شخص میں بھی رسولؐ کا خون باقی ہے۔ خلافت و امامتؑ کے دعوے کی صدائیں بغیر جنبشِ لب بھی بلند ہوتی رہیں گی۔ اِس لئے اعلانِ امامت ہوتے ہی

حضرت امام حسن علیہ السلام کے قتل کرنے کی تدبیریں ہونے لگیں۔ اِس ضمن میں کچھ زیادہ کاوش نہ کرنا پڑی۔ سازشیوں نے اُنھیں کی ایک بیوی کے ذریعے جناب امام حسنؑ کو زہر دلوا دیا۔ اور آپ بھی شہدا میں جا ملے۔

امام حسن علیہ السّلام کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام وجہ خلش بنے۔

حسینؑ، علیؑ کے فرزند، یزید امیر معاویہ کا بیٹا۔ حسینؑ نسلی و فطری فقر و نیاز کے مالک، یزید کے پاس دولت، حکومت، سیاست اور سب کچھ لوگ جناب امام حسنؑ کے انجام سے واقف تھے۔ پھر بھی جناب امام حسینؑ علیہ السّلام کی امامت کا اعلان کر دیا۔ کچھ دن کے لئے عرب سے عراق تک سکون دامن کی فضا پیدا ہو گئی۔ کچھ تو لوگ برسوں کی خانہ جنگیوں سے تھک چکے تھے اور کچھ اِس خیال میں تھے کہ اب تو خاندانِ نبوت کا صرف ایک چراغ باقی ہے۔ اِسے جب چاہیں گے۔ ایک پھونک سے بجھا دیں گے۔ اِس لئے ہر طرف خاموشی طاری ہو گئی۔

سکون دامن کی حالت میں ہر قوت پھیلنے اور اثر انداز ہونے کی

کوشش کرنے لگی ہے یزید اپنی امارت و حکومت کے استحکام میں لگا رہا اور حسینؑ اپنی امامت و سیادت کو وسیع الاثر بنانے میں مصروف رہے۔ کوفہ برسوں حضرت علیؑ کا مستقر رہا تھا۔ اس لئے حسینؑ نے سب سے پہلے کوفہ والوں کو اپنی امامت کا پیغام دیا۔ وہ لوگ حضرت علیؑ کی سیادت کے پہلے ہی معترف تھے، راضی ہو گئے۔ جب یزید کو یہ اطلاع پہونچی کہ طوفانِ امامت مدینہ سے کوفہ تک پہنچ چکا ہے تو اس نے اس کے سدّباب پر غور کیا۔ بالآخر یہی تجویز ذہن میں آئی کہ خاندانِ رسولؐ کی اس آخری یادگار کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے تاکہ پھر اندیشہ ہی باقی نہ رہے۔

اس کے بعد شہادتِ امام حسین علیہ السلام تک جو واقعات ہوئے وہ آپ حضرات ہزاروں مرتبہ سن چکے ہوں گے۔ میں انھیں دُہرا کر تحصیل حاصل کا مرتکب ہونا نہیں چاہتا۔

اس قسم کی شہادتیں آپ کے بعد بھی ہوتی رہیں۔

اب ہم ان شہادتوں پر اس نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالنا چاہتے ہیں کہ یہ شہادتیں "فی سبیل اللہ" یعنی صرف خدا کے لئے تھیں یا ان کے اسباب

کچھ اور تھے۔ تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:-

(۱) حضرت عمر فاروقؓ اس لئے قتل کئے گئے کہ کسی پر محصول زیادہ لگا دیا تھا۔

(۲) حضرت عثمانؓ اس لئے قتل کئے گئے کہ انھوں نے حکومت میں اپنے رشتے کنبے والوں کو بھر لیا تھا۔

(۳) حضرت علیؓ اس لئے قتل کئے گئے کہ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا قصاص نہیں لیا۔

(۴) حضرت امام حسنؑ اس لئے قتل کئے گئے کہ وہ سیادت کے دعویدار تھے۔

(۵) حضرت امام حسینؑ اس لئے قتل کئے گئے کہ وہ بھی علیؓ کے بیٹے اور امامت و سیادت کے دعویدار تھے اور شہادتِ مسلمؓ کے بعد قبیلۂ مسلمؓ کے جوشِ انتقام نے انھیں آمادۂ جنگ کر دیا تھا۔

ان پانچوں شہادتوں میں "فی سبیل اللہ" کا کہیں شائبہ بھی نظر نہیں آتا خدا کے راستے میں قتل ہونا اشاعتِ اسلام، تبلیغِ اسلام، یا جہادِ اسلام کا مقتضی ہے۔ مگر ان شہادتوں میں ذاتیات کا پہلو غالب ہے

شخصی اقتدار اور ذاتی وقار و شرف کے لیے مسلمان، مسلمانوں سے دست و گریباں تھے۔

جنگ بدر و حنین۔ اور ایسی ہی دوسری غزوات بے شک فی سبیل اللہ تھیں۔ اس لئے کہ وہاں مسلمانوں کا مقابلہ کفار سے تھا۔ کفار کے ہاتھ سے اشاعت و حفاظتِ اسلام کی کوشش میں جو مسلمان قتل ہوئے وہی حقیقتاً شہید تھے۔ مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔

حضرت عمرؓ فاروق کا قاتل فیروز ایک مسلمان غلام تھا۔

حضرت عثمانؓ کے چاروں قاتل مسلمان تھے۔

حضرت علی کرم کا قاتل ابنِ ملجم مسلمان تھا

حضرت امام حسنؑ کی قاتلہ ایک مسلمان عورت تھی۔

حضرت امام حسینؑ کا قاتل شمر، مسلمان تھا۔

لہٰذا یہ قتل "فی سبیل اللہ" کیونکر ہو سکتے ہیں اور ان خانہ جنگیوں کو شہادت کا نام کیونکر دیا جاسکتا ہے!

میں عرض کرتا ہوں:۔

پہلے "سبیل اللہ" یعنی اللہ کے راستے کا تعین کر لیجئے۔ اللہ کا بنایا ہوا

اور بتایا ہے اور راستہ کیا ہے؟ قرآن مجید میں ارشاد ہے "اِعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْم یعنی میری عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے"
اور ہم نے اسی راستے پر چلنے کے لئے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ) اور اس کا صلہ کیا ہے؟ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ میرے بندوں کے زمرے میں داخل ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اب واضح ہو گیا کہ خدا کا سیدھا راستہ اُسکی عبادت اور اعتراف عبودیت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اُس کے جو بندے عبادت کرتے ہوئے قتل کئے جائیں وہ بھی مَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے حکم میں آسکتے ہیں۔

اب ان پانچوں شہادتوں کا اسباب کے لحاظ سے نہیں یعنی اس نقطۂ نظر سے نہیں کہ شہادت کس سبب سے ہوئی۔ بلکہ اس نظرے کہ شہادت کس حال میں ہوئی پھر تجزیہ کیجئے۔

(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح کی نماز پڑھتے ہوئے شہید کئے گئے۔

(۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے

شہید کئے گئے

(۳) حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی صبح کی نماز پڑھتے ہوئے شہید کئے گئے

(۴) حضرت امام حسن علیہ السلام بھی زہر خورانی کے بعد مصروف عبادت تھے۔

(۵) اور حضرت امام حسین علیہ السلام بھی نماز پڑھتے ہوئے بحالت سجدہ شہید کئے گئے۔

اب ہم بادثوق کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب شہادتیں فی سبیل اللہ ہوئی ہیں اور ان شہدا کو حیات ابدی کا منصب من جانب اللہ دیا گیا ہے۔

یہ اور ایسے تمام شہید اپنے مناصب مراتب میں انبیائے علیہم السلام کی طرح مساوی اور برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ" ان میں کسی کو کسی پر امتیاز نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنے نفس اپنے مال، اپنے ثمرات اور اپنی جانوں کی قربانی کے امتحان میں خدا کے نزدیک پورے اترے ہیں۔ رحمت و مغفرت کی بشارت انہیں کے لئے ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ یہ اللہ سے خوش ہیں اور اللہ ان سے خوش ہے

جب تمام شہدا اپنے مراتب میں مساوی الحیثیت ہیں تو پھر ہم کسی ایک ہی شہید کی یادگار کیوں مناتے ہیں۔ اور دوسرے شہدا کی قربانیوں کو ہم نے کیوں نظرانداز کر رکھا ہے ؟۔

بظاہر اِس لئے کہ سیّد الشہدا حضرت امام حسین علیہ السّلام کے مصائب باقی شہدا سے زیادہ المناک ہیں۔ وہ رسولؐ کے نواسے بھی تھے، اور اُن کی اولاد بھی اُن کے ساتھ شہید ہوئی جن میں معصوم بچّے بھی تھے۔ یہ خصوصیتیں ہمارے دلوں کو اُن کے معاملہ میں زیادہ ہمدرد اور حساس بنا دیتی ہیں۔

اچھا آیئے حضرت عثمان کے مصائب سے سیّد الشہدا کے مصائب کا مقابلہ کر کے دیکھیں۔

(الف) حضرت امام حسینؑ اور اُن کے رفقا پر تینؔ دن تک نہر فرات کا پانی بند رہا۔ مگر حضرت عثمان کا گھر چالیسؔ روز تک محاصرہ میں رہا اور آپ مع اہل و عیال کے بھوکے پیاسے اُمید و بیم میں پڑے رہے۔ ہمسایہ گھروں سے کبھی کبھی رسد اور پانی کی امداد چھپے چوری پہونچ جاتی تھی۔ وہ بھی وقفوں کے بعد، اور یہ وقفہ تین روز سے زیادہ

کا ہوتا تھا۔

(ب) حضرت امام حسین السّلام کے ساتھ صرف ۷۲ رفقا مع فرزندں کے تھے۔ مگر آپ نے میدان میں لڑنا اور جنگ کرنا قرین مصلحت سمجھا اور حضرت عثمانؓ کے گھر میں سات سو جاں نثار موجود تھے مگر آپ نے امتِ محمدی کی خوں ریزی گوارا نہ فرمائی۔

(ج) حضرت امام حسین السّلام مدینہ سے مع اہل و عیال خود کربلا گئے۔ پھر وہاں حالات مخالف دیکھ کر یزید کو پیغام بھیجا کہ اگر تو مزاحمت نہ کرے تو میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں۔ مدینہ کبھی نہ جاؤں گا۔ اور تیرے کاموں میں مزاحمت بھی نہ کروں گا، مگر وہاں سے حکم آیا کہ تم کہیں نہیں جا سکتے۔

حضرتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ صدر دروازہ کو چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار توڑ کر اِس محاصرہ سے نکل جایئے اور سواری کے ذریعے مکہ معظمہ تشریف لے جایئے۔ آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اپنے ہجرت کے گھر کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار کو میں نہیں چھوڑ سکتا۔

(د) شبِ عشرہ کو سیّد الشہدا رض نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلعم اور بنت الرسول ص دونوں اُن کی آمد کے منتظر ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے حسین ؑ اب جلد آؤ، ہم حوضِ کوثر پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

حضرتِ عثمان رض نے بھی جمعہ کی رات کو خواب دیکھا کہ آنحضرت اور حضرت ابوبکر رض و عمر رض اُن سے کہہ رہے ہیں کہ اے عثمان رض جلدی کرو تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں۔

(ھ) سیّد الشہدا رض کی نعشِ مبارک اُس وقت تک بے گور و کفن پڑی رہی جب تک امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ دربارِ یزید سے مع اہلِ بیت کربلا واپس نہ پہونچے۔

حضرتِ عثمان رض کی نعشِ مقدس بھی دو دن تک بے گور و کفن پڑی رہی

(و) سیّد الشہدا رض کے جسم پر نیزوں کے متعدد زخم تھے۔

حضرتِ عثمان رض کے جسم پر بھی نیزوں کے ۹ زخم تھے۔

(ز) سید الشہدا رض کا قاتل صرف ایک شمر تھا۔

ذالنورین رض کے قاتل ۱۳ تھے ایک کے مقابلہ میں ۱۳ کا حملہ زیادہ شدید ہونا چاہئے۔

(ح) سیدالشہدا رضؓ کی اہلیہ محترمہ رضؓ ام المومنین شہادت کے وقت کربلا
میں موجود تھیں، مخالفین نے اُن کا احترام کیا۔

امیرالمؤمنین رضؓ کی بیوی نائلہ رضؓ بھی شہادت کے وقت اپنے شوہر کے
پاس موجود تھیں، مگر اُن کی تین انگلیاں آپ کے ساتھ شہید کردی گئیں۔

مصائب کے مقابلہ سے میرا مقصد (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) کسی شہید کی مصیبت کی
اہمیت کو کم کرنا نہیں ہے۔ بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ جو مصیبتیں سیدالشہدا رضؓ حضرت
امام حسین علیہ السّلام اور اُن کے ہمراہیوں کو اُٹھانی پڑیں ویسی ہی کم وبیش
دوسرے شہدا کو بھی پیش آئیں۔ اس لئے کہ قربانی اور جہاد فی سبیل اللہ کا معیار ہی
یہ مصائب تھے۔ وَاِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

مصیبتوں کی کمی اور زیادتی وقت اور ماحول پر منحصر تھی۔ سَیِّدُالشُّہدا رضؓ
اپنے وطن سے دُور عالمِ غربت میں شہید ہوئے۔ دوسرے
شہدا اپنے گھروں میں یا مساجد میں شہید کئے گئے۔ شہادت
زمان ومکان کی قید سے آزاد ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ شہدا بہ اعتبار
مراتب برابر اور مساوی العظمت ہیں۔ لہٰذا ہمیں سب کی یادگاریں
منانی چاہئیں۔ مگر اس طرح نہیں کہ دوسرے ایّام شہادت میں بھی

عشرۂ محرم الحرام کی طرح اسراف و نمائش کا مظاہرہ کر کے قوم کی اقتصادی مشکلات میں اضافہ کر دیا جائے۔ شہادتِ اسلاف اور اہم واقعاتِ اسلام کی یادگار، خموشی اور اعتدال کے ساتھ بھی منائی جا سکتی ہے۔

اگر ممکن ہو تو میری رائے میں مخصوص یادگاروں کا سالانہ تعیّن و اہتمام اس طرح ہو سکتا ہے۔

(۱) ۱۲ ربیع الاول کو "یومِ النبیؐ" منایا جائے۔
(۲) ۲۲ جمادی الثانی کو "یومِ صدیقؓ" منایا جائے۔
(۳) ۲۷ رجب کو "یومِ معراجؐ" منایا جائے۔
(۴) ۲۰ رمضان المبارک کو "یومِ علیؓ" منایا جائے۔
(۵) ۲۵ رمضان المبارک کو "یومِ قرآن" منایا جائے۔
(۶) یکم شوال کو "یومِ عید" منایا جائے۔
(۷) ۱۰ ذالحجہ کو "یومِ قربانی" منایا جائے۔
(۸) ۱۸ ذالحجہ کو "یومِ عثمانؓ" منایا جائے۔
(۹) یکم محرم الحرام کو "یومِ عمرؓ" منایا جائے۔
(۱۰) ۱۰ محرم الحرام کو "یومِ حسینؑ" منایا جائے۔

(تِلْكَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃ) یہ دس دن پورے ہو گئے۔ محرم میں دس دن تک ایک ہی یادگار منانے سے عزائم تھک جاتے ہیں اور اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔ اگر یہ دس دن پورے سال پر تقسیم کر دیئے جائیں تو اقتصادی بوجھ بھی ہلکا ہو سکتا ہے۔ اور تمام تاریخی و ملی اہم واقعات کی یاد بھی تازہ ہو سکتی ہے۔

محرم میں دس دن تک جو یادگار بطور رسم ہندوستان میں منائی جاتی ہے وہ تسلسل و تواتر کی وجہ سے بے حد کہنہ اور قابلِ ترمیم ہو چکی ہے۔ اس کی تجدید ملتِ اسلام کے لئے ضروری ہے۔ نمائشوں، مظاہروں، ڈھول اور تاشوں، ہجوم اور ہنگاموں سے شہدا کی روح کو کوئی فائدہ نہیں پہونچتا اور لوگوں کا روپیہ اور وقت ایسے کاموں میں فضول خرچ ہوتا ہے جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے۔ نہ عقبیٰ کے لئے کوئی منفعت اگر ہر یادگار کے لئے صرف ایک دن معین ہو جائے اور اس میں صاحب یوم کے اسوۂ حسنہ، سیرۃ اور مناقب بیان کرنے کے بعد اسکی روح کو قرآن شریف اور درود و فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جائے تو فائدہ ہی فائدہ ہو یہ تجدید شعائرِ اسلام کی تجدید ہو گی، اور اس تجدید سے بہت سی بے کار او ہیجان

رہیں جو صراطِ مستقیم سے ہمیں گمراہ کر رہی ہیں۔ خود بخود مٹ جائیں گی۔
ملّتِ اسلام میں نئی روح، نئی بیداری اور نئی زندگی پیدا ہوگی اور اسلام
کی خالصیّت، جو اب تصنّع، تکلف، نمائش، اور رسمیات کی تہوں میں دبی ہوئی
ہے از سرِ نو نمودار ہو جائے گی۔ مسلمان مسلمان نظر آنے لگیں گے اور کچھ عجب
نہیں کہ اس تجدید کے بعد اسلاف کی سیرۃ سے متاثر ہوتے ہوتے کسی زمانے
میں پھر عمرؓ، ابوبکرؓ، عثمانؓ، علیؓ، حسنؓ اور حسینؓ (علیہم السّلام) کے کردار دنیا
میں نظر آنے لگیں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن۔

۴ رفروری ۱۹۴۲ء
۱۷ محرم الحرام ۱۳۶۱ھ
شب پنجشنبہ

سیماب اکبرآبادی

نظمیں

یادِ حسینؑ

دکھ بھی اس پاپی دنیا کا سپنے بن بن کر کھوتا ہے
دو دن کا رونا دھونا ہے پھر کون کسی کو روتا ہے
سیماب مگر احمدؐ کے نواسے اور علیؑ کے بیٹے کا
تیرہ صدیاں گذری ہیں اور ماتم اب تک ہوتا ہے

۱۹۴۲ء
۱۳۶۱ھ

سلام لشہدائے اسلام

اے نجیب و شرفائے اسلام — اے انیس و رفقائے اسلام
اے شجیع و زعمائے اسلام — ہو تمہیں وجہ بقائے اسلام
السّلام اے شہدائے اسلام

اے عمرؓ فاتح روم و ایراں — اور اے جامع قرآں عثماںؓ
اے علیؓ صاحب علم و عرفاں — تم سے راضی ہو خدائے اسلام
السّلام اے شہدائے اسلام

اے حسینؓ ابن علیؓ سبط رسولؐ — اے حسنؓ اے جگر و جان بتولؓ
ہوئیں قربانیاں تم سب کی قبول — تم نے دی جان برائے اسلام
السّلام اے شہدائے اسلام

اے عرب اور عجم کے شہدا — رہبر و راہ رو راہ خدا
بزم عالم میں تمہیں سے گونجا — نعرۂ بانگ درائے اسلام
السّلام اے شہدائے اسلام

سوزِ دل کا نہ زباں میں ہوتا جوش پیدا نہ اذاں میں ہوتا
تم نہ ہوتے تو جہاں میں ہوتا کفر کا دور بجائے اسلام
السّلام اے شہدائے اسلام

تم سے ہے عالمِ فانی کو ثبات تم سے پُر نور فنا زار کی رات
ہو تمہیں جلوۂ جاویدِ حیات تم سے روشن ہے فضائے اسلام
السّلام اے شہدائے اسلام

فی الحقیقت یہ جہانِ ایجاد ہے تصرف سے تمہارے آباد
تعمیرِ ملت کی تمہیں ہو بنیاد تم سے مضبوط بنائے اسلام
السّلام اے شہدائے اسلام

رگِ ہستی میں تمہارا ہے لہو رنگِ عالم میں تمہاری خوشبو
سرخ رو تم سے ہے یہ بزمِ نمو اور گل ریز ہوائے اسلام
السّلام اے شہدائے اسلام

موت سے پہلے کیا خود کو فنا موت کا وار ہی چلنے نہ دیا
مقصدِ زیست تمہیں نے سمجھا الصّلوٰۃ اے عرفائے اسلام
السّلام اے شہدائے اسلام

یزید

تمیزِ حق کے لئے ہو وجود باطل کا
فروغِ تیرگی خالق ہو شمعِ محفل کا

ہو کیوں وجودِ براہیمؑ گر نہ ہو آذر؟
نہ ہو جو نار تو پھر نور کا ہو کس پہ اثر؟

اگر نہ ہو کوئی فرعون آئیں کیوں موسیٰؑ
نہ ہو جو ساحری کیا معجزے دکھائے عصا

نہ ہو مریض تو عیسیٰؑ کی کیا ضرورت ہے
نہ ہو جو دیر، کلیسا کی کیا ضرورت ہے

نہ ہو جو شام تو کیونکر ہو اعتبارِ سحر
خزاں نہ ہو تو نہ ہو عارفِ بہار نظر

گھٹا نہ ہوتی تو بجلی میں کیوں چمک ہوتی
نہ ہوتی گند تو پھولوں میں کیوں مہک ہوتی

نہ ہو جو پیاس تو پانی کی قدر کون کرے
بغیرِ شیب، جوانی کی قدر کون کرے؟

نہ ہو جو موت تو عرفانِ زندگی کیا ہو؟
نہ ہو جو روگ تو صحت سے آگہی کیا ہو؟

جو پستیاں نہ ہوں کیا کوہسار کی عظمت
نہ ہو جو ریگ تو کیا آبشار کی عظمت؟

نہ ہوتا کفر جو ظلمت فروزِ بزمِ جہاں
تو ہوتا نیّرِ اسلام کو فروغ کہاں؟

جو راہزن نہ ہو پیدا تو رہنما کیوں ہو؟
خودی نمود نہ پائے تو پھر خدا کیوں ہو؟

نہ ہو یزید جو دنیا میں باعثِ تکلیف
تو کیوں حسینؑ کو دی جائے زحمتِ تشریف

یزیدِ باطل و تیرہ درون و آذر کیش | یزید ناری و فرعونِ سامری کم و بیش
یزید فسق و فجور و عناد کا بیمار | یزید دیرِ خودی، نشہ خانۂ پندار
یزید شام کا حاکم بھی اور شامی بھی | خزاں بھی ننگِ گلستاں بھی اور عامی بھی
یزید ایک گھٹا ایک گن رایک ہراس | عمل کا شیبِ معاصی کا زردگوں کی بیاس
وہ ذہن و فکر کی پستی وہ ریگ زارِ خیال | وہ راہزن وہ مجسّم خودی وہ بداعمال

حسینؑ عارفِ حق، شمعِ محفلِ عرفاں | مرادِ خوابِ براہیمؑ، نورِ بزمِ جہاں
حسینؑ علیٔ ملت، کلیمِ طورِ جمال | حسینؑ آہوئے کعبہ، صنم کدوں کا زوال
حسینؑ صبحِ شہادت کے نیرِ رخشاں | حسینؑ گلشنِ توحید کی بہارِ جہاں
حسینؑ برقِ تپاں، بوئے خلد، آبِ حیات | مجاہدوں کی جوانی، ریاضتوں کا ثبات
حسینؑ عظمتِ رفعت کے کوہسارِ گراں | حسینؑ صبر و قناعت کے آبشارِ رواں
حسینؑ راہ نما، رازدان و راہ شناس | حسینؑ بیخود و ہم باخدا، فرشتہ اساس

زحق چو نعرۂ "ہل من مزید" مے آید
بہ رنگِ لا ز نجابے یزید مے آید

(۲۵، اگست ۱۹۳۴ء)

حسینؑ کون تھے؟

کس میں طاقت ہے؟ کہ باطل طاقتِ باطل کرے — جب قدم لرزیں تو سر سے طے رہِ مشکل کرے

کس میں ہمت ہے؟ کہ ہمت توڑ دے اشرار کی — فاسق و فاجر کو خیرِ صلح پہ مائل کرے

کس میں جرأت ہے؟ کہ جرأت کر کے پا جائے عبور — بحرِ ہستی جب غرورِ دوریٔ ساحل کرے

کس میں قوت ہے؟ کہ قوت جذب کر لے ظلم کی — خون کر کے دل کو نذرِ خنجرِ قاتل کرے

کس میں جودت ہے؟ کہ مختاروں سے جو دولت چھین لے — زندگی پر اختیارِ دائمی حاصل کرے

کس میں قدرت ہے؟ کہ ہو اسرارِ قدرت کا امیں — مسکرا کر طے رضا و صبر کی منزل کرے

کس کی فطرت، فطرتِ مطلق سے ہم آہنگ ہے؟
کس کی قسمت، معنیٔ تقدیر سے ہم رنگ ہے؟

کون ہے، سمجھے جو معنیٔ "فی سبیل اللہ" کے — کون ہے آگاہ لفظوں سے خدا کی راہ کے؟

کون ہے، جو اک قبائے کہنہ و صد چاک سے — پست کر دے حوصلے اربابِ مال و جاہ کے؟

کون ہے، جو باوجودِ سختیٔ و جورِ تمام — تا بہ لب آنے نہ دے جذبے دلِ آگاہ کے؟

کون ہے، معراج ہو جس کو بساطِ خاک پر؟ — عرش تک بن جائے اک زینہ الف سی آہ کے؟

کون ہے؟ نظریں اٹھائیں کی نہ رحمت نے جسے؟ سانس لے کر لوٹ دے پردے تجلی گاہ کے
کون ہے وہ عالمِ انساں میں انسانِ عظیم؟ راست آئیں جس کے سر پر تاج مہر و ماہ کے

تین دن تک جو رہے کنبہ کا پیاسا کون ہے؟
اور ہو بھی، تو پیمبر کا نواسا کون ہے؟

وہ جو کہتے ہیں شہادت ہر زمانے میں ہے عام جذبۂ صادق سے ہو سکتا ہے اس کا انصرام
پوچھتا ہوں ان سے تیرہ سو برس سے آج تک کیوں نہ انساں نے لیا اس جذبۂ صادق سے کام؟

کیوں خدا کی راہ میں دیتی نہیں یہ اپنی جان؟ آج بھی لاکھوں مجاہد ہیں کروڑوں ہیں امام؟
لٹ رہے اسلام کی مدت سے رسوائی ہوئی جوش میں آتا نہیں کیوں ان کا خونِ لالہ فام؟

ہر طرف اسلام پر طاری ہے یک گونہ جمود سرفروشانہ یہ کیوں کرتے نہیں کچھ انتظام؟
سب زبانی ہیں یہ باتیں بے حقیقت بے دلیل منصبِ ابنِ علیؓ کا ہو چکا ہے اختتام؟

سبطِ شاہِ مشرقین، اب کوئی بن سکتا نہیں
بزمِ عالم میں "حسینؓ" اب کوئی بن سکتا نہیں

(۲۵ اگست ۱۹۴۳ء)

یزید دربارِ خداوندی میں

فرشتۂ احتساب (یزید سے)

آل و اولادِ پیمبرؐ پہ جفا کی تو نے | جو کسی سے نہ ہوئی تھی وہ خطا کی تو نے
خیر اور صلح کے پیغامبروں کو لوٹا | سازش و جنگ خلافِ صلحا کی تو نے
تو مسلمان تھا، پھر تو نے بغاوت کیوں کی؟ | کیوں نہ اخلافِ محمدؐ سے وفا کی تو نے
پھر کیا ایک ستم اور یہ بالائے ستم | کہ اسیروں پہ بھی بیداد روا کی تو نے
دولتِ شام کا مختار بنایا تھا تجھے | کرمِ خاص کی قیمت یہ ادا کی تو نے
کیا غمگین خواتین کو مجبورِ سفر | چھین لیں نصرتیں آلِ عبا کی تو نے
اُن کے بچوں سے بھی تو کر نہ سکا کوئی سلوک | نام و ناموسِ نبیؐ سے نہ حیا کی تو نے
کیوں خدا بن کے رہا عالمِ اجسام میں تو؟ | کیوں نہ کی ترکِ خودی بہرِ خدا کی تو نے
کوفہ و مدینہ و شام میں بخوفِ ہراس | خوب تبلیغِ خودی صبح و مسا کی تو نے
آخرِ کار بصد حیلہ و صد فتنہ و شر | جان لی سیدِ بے برگ و نوا کی تو نے
کیا ترے دل میں نہ تھا خوفِ خدائے جبار | کیا حقیقت نہیں سمجھی تھی خدا کی تو نے

آج کیوں سب سے زیادہ نہ سزا دیں تجھ کو
آگ میں کیوں نہ جہنم کی جلا دیں تجھ کو

یزید:—

سچ ہے اولادِ پیمبر کو ستایا میں نے — نہ کیا خوف مکافاتِ عمل کا میں نے

مجھ سے دربار میں گنوائے گئے جتنے تھے — غالباً کی ہی خطا اس سے زیادہ میں نے

لیکن اب بات جو نکلی ہے تو کہتا ہوں میں — اس میں پایا تھا کچھ اللہ کا منشا میں نے

منکشف مجھ پہ ہوا پردۂ اسرارِ ازل — میرے ہاتھوں سے جو ہونا تھا وہ کیا میں نے

وہ شہادت جو ازل ہی سے تھی مقسومِ حسینؑ — اس کے اسباب کئے صرف مہیّا میں نے

چند معصوم نبی زادوں کی جانیں لیکر — کر دیا ملّتِ اسلام کو زندہ میں نے

دور تک کھول دیا جادۂ تسلیم و رضا — کارواں کو کیا اس رہ میں برپا میں نے

ہوا یہ واقعہ دنیا میں بنائے توحید — کتنے دلوں کو بنایا نیا کعبہ میں نے

لعنتیں بھیجتی ہے مجھ پہ خدائی اب تک — یہ صلہ اتنے بڑے کام کا پایا میں نے

یہ خودی تھی۔ تو خدا ہی کی عطا کردہ تھی — باز پرس اس کی بھی ہوگی یہ نہ سوچا میں نے

فیصلہ اس کا ہے انصافِ خدا پر موقوف — کام پیوستِ مشیّت نے کیا یا میں نے؟

میرے دعوے کی ملے داد بہ تصدیقِ حسینؑ

کہ میں دنیا میں ہوا باعثِ تخلیقِ حسینؑ

(۲۵ر اگست ۱۹۴۳ء)

جب ہوئی صبحِ ازل کوششِ تعمیرِ شہید — نورِ فطرت ہوا سرمایۂ تخمیرِ شہید
قیمتِ کون و مکاں ہو گئی توقیرِ شہید — بن گئے صبر و رضا طوقِ گلو گیرِ شہید
خاک پر خون سے کھینچی گئی تصویرِ شہید

لا الٰہ سے بنائی گئی ہستی اس کی — کیفِ اللہ میں ڈھالی گئی مستی اس کی
مرکزیت بنی توحید پرستی اس کی — اشہد ان میں قائم ہوئی بستی اس کی
شرحِ آیاتِ شہادت ہوئی تفسیرِ شہید

نہ اسے طنطنۂ فتح و ظفر کی پروا — نہ اسے رنگ و نمودِ تن و سر کی پروا
نہ اسے سیم و زر و لعل و گہر کی پروا — نہ اسے دشنہ و صمصام و سپر کی پروا
خوئے تسلیم بنائی گئی شمشیرِ شہید

اُسے عرفانِ حقیقت کا ہی سودا ہر وقت منتظر ہے وہ اشاراتِ خفی کا ہر وقت

جزو کو کُل میں سمانے کی تمنا ہر وقت بنی ہی اُسے ہستی کا تماشا ہر وقت

کیجئے شاہدِ مشہود سے تعبیر شہید

زندگی ہے متعیّن نہ فنا ہو جانا جیتے جی کشتۂ تسلیم و رضا ہو جانا

چاہے جب جلوہ گرِ جلوہ نما ہو جانا اور جب چاہنا ہستی سے رہا ہو جانا

یعنی پابندِ تعیّن نہیں تقدیرِ شہید

(۱۹۴۱ء)

نہ ہو جتنک مکمّل جذبۂ ایثار و قربانی
نجاتِ مردِ ہندی و حجازی غیر ممکن ہے

منزّہ ہو نہ جب تک نفس، خواہش ہائے دنیا سے
ثبوتِ ادّعائے پاکبازی غیر ممکن ہے

بجائے شمع، آئینہ نہیں مقصودِ پروانہ
نہ ہو گر سوزِ غم، سینہ گدازی غیر ممکن ہے

گدازِ دل نہ ہو تو پھر عبادت کیا اطاعت کیا
خصوصیت کسی میں امتیازی غیر ممکن ہے

اطاعت غایتِ تخلیقِ جنّ و اِنس ہے یعنی
اطاعت سے خدا کی بے نیازی غیر ممکن ہے

سجودِ اہلِ دل کو ہے مقدّر عرش کی رفعت
بغیرِ عشق، کامل ہو نمازی غیر ممکن ہے

کمالِ عشق لتا ہے مقدر کی رسائی سے
کہاں ذکرِ حقیقی، جب مجازی غیر ممکن ہے

غلامی اور محکومی مسلماں سے نہیں ممکن
کہ جو محمود ہیں اُن سے ایازی غیر ممکن ہے

ابھی تقلید کے امکاں میں ہے مسلک شہیدوں کا
نہ ہم آہنگیِ شبلیؒ درازی غیر ممکن ہے

شہادت نے عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ کی کیا ثابت
کہ تسکین باوجودِ دلنوازی غیر ممکن ہے

بالآخر سیرتِ شبیرؓ نے کھولا یہ عقدہ بھی
بغیرِ سرفروشی سرفرازی غیر ممکن ہے

ہیں جتنے سرفروش اپنے مراتب میں برابر ہیں
یہاں فوقیت ترکی و تازی غیر ممکن ہے

شہیدانِ وفا کے نام سے ہوتے ہیں جو برہم
کہے دیتا ہوں اُن سے قوم سازی غیر ممکن ہے

بیراگی کا راگ

دنیا میں غم و ہم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
دنیا صفِ ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

جو پیکرِ ہستی ہے ترے علم و یقیں میں
وہ وہمِ مجسم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

دم بھر میں ہے بیکار یہ مٹی کا کھلونا
اس آدمی میں دم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

یہ جھوٹی تمناؤں سے آباد کبھی تھا
اب دل میں ترے غم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

آغاز میں کچھ رام نظر آتی ہے دنیا
انجام مگر رم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

یہ بزمِ گل و لالہ، یہ رنگینیٔ ہستی
خونِ دلِ عالم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

ہر صبح کے پردے میں ہے اک شامِ نہفتہ
ہر عید محرم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

نظارۂ گل، رنگِ چمن، گرمیٔ محفل
ہنگامۂ برہم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

پھولوں پہ برستے تھے کبھی باغ میں موتی
اب خاک پہ شبنم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

پہنائے زمیں، زندگی جس پہ ہے خراماں
خاکِ بنی آدم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

سیماب یہ بکھری ہوئی دنیا کی کہانی
افسانۂ مبہم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

(۲۵ اگست ۱۹۴۳ء)

خونابہ

خاکِ کربلا کی پیش کش حضورِ الٰہی میں

الٰہی مجھ کو دیا دشتِ کربلا تو نے
شکارِ کرب و بلا کا بنا دیا تو نے

بقدرِ جرأت گوارا ہوئی یہ بات مجھے
سکونِ دل کے لئے مل گیا فرات مجھے

فتادگی و خموشی سے بر بنائے نیاز
زبانِ شکوہ کبھی کی نہ میں نے اپنی دراز

ہزار کرب تھے، اور اک بلائے تنہائی
نہ تھا جلیس مرا کوئی، ہائے تنہائی

یکایک آ گیا اک کارواں مدینے سے
لگا لیا اُسے خوش ہو کے میں نے سینے سے

مگر یہ تیری مشیت نے کیا ستم ڈھایا
کہ اس کے خون سے ذروں کو میرے نہلایا

دیا وہ سوز کہ پھر پیاس بجھ سکی نہ مری
فرات پی کے بھی تشنہ لبی گئی نہ مری

فرات خشک ہوا، رہ گئی میں پھر برباد
سموم بن کے ہوئی گرم رو مری فریاد

وہ اک متاع بنایا تھا جس کا مجھ کو امیں
رہا خیال کہ ہو جائے رائیگاں نہ کہیں

حفاظت اسکی میں کرتی رہی بہ دشواری
ہوا نصیب سے فرمانِ حاضری جاری

سپرد کرنے تجھے وہ امانت آئی ہوں
ترے نبی کے نواسوں کا خون لائی ہوں

۲۵ر اگست ۱۹۴۳ء

سیّد الشہداؑ

سبطِ نبیؐ، جانِ علیؓ کرم، یاورِ ما یارِ ما	سیّد و سالارِ ما
سر بجفا داد، پئے مغفرتِ کارِ ما	سیّد و سالارِ ما
اسوهٔ او عترتِ تقلید و کفیلِ نجات	درسِ پیشِ حیات
چارهٔ عصیان و دوائے دلِ بیمارِ ما	سیّد و سالارِ ما
جلوهٔ زیبائے جبیں، یاسمنِ شامِ غم	یا چمنِ شامِ غم
صبحِ تجلائے رخش نورِ شبِ تارِ ما	سیّد و سالارِ ما
نقشِ وفا ثبت بریں صفحهٔ عالم ازاوست	صبر و رضا هم ازاوست
یادِ لبِ تشنهٔ او گرمیِ اذکارِ ما	سیّد و سالارِ ما
نغمهٔ توحیدِ خدا، ز دلبرِ کارواں	راهبرِ کارواں
سهل گذشت از قدمش منزلِ دشوارِ ما	سیّد و سالارِ ما
رهروِ صحرائے رضا صابر و شاکر حسینؑ	آه مسافر حسینؑ!
لاله بیارد ز غمش دیدهٔ خونبارِ ما	سیّد و سالارِ ما

۱۳۶۲ھ

خطبۂ وفا

خلفِ حیدرِ کرار حسینؑ ابنِ علیؑ — جگرِ احمدِ مختار حسینؑ ابنِ علیؑ

اے مسافرِ رہِ تسلیم و رضائے حق کے — اے شہادت کے سزاوار حسینؑ ابنِ علیؑ

حریت کا ہمیں دینے کو پیام آئے تھے — زبدۂ حلقۂ احرار حسینؑ ابنِ علیؑ

تشنہ لب تپتی ہوئی ریت پہ گر کر بھی — کوثر و خلد کے حقدار حسینؑ ابنِ علیؑ

قافلہ کیوں نہ پہنچتا سرِ منزل اپنا — بن گئے قافلہ سالار حسینؑ ابنِ علیؑ

نہ شجاعت کی کمی تھی نہ تحمل کی کمی — صابر و شاکر و جرار حسینؑ ابنِ علیؑ

ذاتِ تنظیمِ محبت کی مجسم تصویر — تیغِ عریاں دمِ پیکار حسینؑ ابنِ علیؑ

آپ کے قتل سے ملت کو ملی تازہ حیات — یادگارِ شہِ ابرار حسینؑ ابنِ علیؑ

فاتحِ قلعۂ بدعات و امامِ امت — سید و قائد و سالار حسینؑ ابنِ علیؑ

ختم ہے نام پہ تیرے ہی وفا کا خطبہ — اے وفا کیش و وفادار حسینؑ ابنِ علیؑ

دلِ سیماب میں یہ رہ گئی حسرت باقی
نہ ہوا حاضرِ دربارِ حسینؑ ابنِ علیؑ

سلام

ما تا به کربلا نرسیدیم حسرتا!

این هم غنیمت است که برسد سلام ما

(۱)

گیا عشرہ، مگر ہوں مجلسِ میں خستہ جاں اب تک
کوئی رہ رہ کے دل میں لے رہا ہے چٹکیاں اب تک

زمینِ کربلا ہے لالہ خیز و گلفشاں اب تک
ہیں اک افسانۂ خونیں کی باقی سرخیاں اب تک

نہ جانے کتنی تکبیریں کہیں تھیں کہنے والوں نے
ہوا کی موج سے آتی ہے آوازِ اذاں اب تک

الٰہی کربلا میں کس بلا کی گردش آئی تھی
لیا کرتا ہے کروٹ انقلابِ آسماں اب تک

ابھی ہیں یاد شب بیداریاں سبطِ پیمبرؐ کی
ملا کعبے کو پھر ایسا نہ کوئی پاسباں اب تک

جہاں خونِ اہلِ بیتِ مصطفےٰؐ کا رنگ لایا تھا
سنا ہے دور تک سبزہ نہیں اُگتا وہاں اب تک

حسینؓ ابن علیؑ نے جن پر اپنا سر جھکایا تھا
جھکا کرتا ہے اُن ذرّوں پہ فرقِ دو جہاں اب تک

فرات اب تک ہے محرومی پہ اپنی شعلہ در دامن
مثالِ موج اُس کے دل سے اُٹھتا ہے دھواں اب تک

نمازِ فجر ادا کی تھی جہاں اللہ والوں نے
نسیمِ صبح دیتی ہے وہاں آکر اذاں اب تک

جو لے کر کارواں منزل پہ پہونچا چند ساعت میں
ہوا پیدا نہ پھر ایسا امیرِ کارواں اب تک

شفق ہر شام کو خونابہ تو بھر کے لاتی ہے
دکھاتی ہے کہ دامن شام کا ہے خونچکاں اب تک

بقا کی روشنی تجھ کو فنا میں کیا نظر آئے
کہ تُو ہے ناشناسِ انقلابِ جسم و جاں اب تک

جو تیرہ سو برس پہلے چلے تھے جادۂ حق پر
اُنھیں کے نقشِ پا ہیں رہنمائے کارواں اب تک

چمن والوں نے جس کو جانِ دیگر دے دیا تھا
وہی شورش ہے جاری بر بنائے آشیاں اب تک

ہوا کرتا ہے ماتم نزہتِ رفتہ کا سالانہ
خزاں کا روپ بھرتی ہے بہارِ گلستاں اب تک

بغیر سرفروشی وہم ہے آزادیٔ ملت
مگر سمجھا نہیں اس راز کو ہندوستاں اب تک

گراں ہیں جانِ ہستی پر یزید اس دور ناقص کے
بہانے ڈھونڈتی پھرتی ہے مرگِ ناگہاں اب تک

یقیناً ایک ضربِ حیدری کی پھر ضرورت ہے
کہ باطل لے رہا ہے نزع کی سی ہچکیاں اب تک

اگر لنگر نہ بن جاتیں گراں لاشیں شہیدوں کی
تو ہو جاتی یہ دنیا زلزلوں سے رائیگاں اب تک

حسینؑ! اپنا لوائے حریت لے کر پھر آ جاؤ
غلامی کی تہوں میں قید ہیں آزادیاں اب تک

وہی ظلم اور وہی مظلومیت سیمابؔ کیا کہئے
کسی کا منتظر ہے انقلابِ آسماں اب تک

۱۹۴۲ء

(۴)

خونابۂ دل سے ابھرائی سرخ آنسو پیدا کرتے ہیں
ہم تشنی کے افسانوں کو عنوان ہستا کرتے ہیں

جو واقف رازِ دنیا ہیں کب حسرتِ دنیا کرتے ہیں
اپنے لئے ایک نیا عالم تخیل سے پیدا کرتے ہیں

وحدت کے پرستاروں کی جبیں جھکتی ہے تو پھر اٹھتی ہی نہیں
جن کو ادراکِ سجدہ ہے، وہ ایک ہی سجدا کرتے ہیں

اسلام کو موت آئی ہی نہیں پھر اس کا جلانا کیا معنی؟
اسلام پہ جو مٹتے ہیں وہ نام، اپنا خود زندہ کرتے ہیں

یہ نغمہ و ساز و چنگ و نوا، یہ مجمع اہلِ ملت کا
کعبے سے عقیدت ہی جن کو، تقلیدِ کلیسا کرتے ہیں

جن کے دل پہ ہیں چھائے ہوئے آلام حسینؑ بیکس کے
وہ خلوت میں خاموشی سے، کچھ رو کر سوچا کرتے ہیں

مردانِ رہِ تسلیم و رضا اٹھتے ہیں خدا کے در سے بھلا!
اب سر یہ ہمارا حق نہ رہا یہ سوچ کے سجدا کرتے ہیں

"لا تحزنوا" اور پھر "لا تہنوا" کافی ہے بشارت مومن کو
جن کی پروا اللہ کرے وہ کس کی پروا کرتے ہیں

ہاشم کے بیٹوں کا کنبہ وہ کنبہ ہے جن کے بچّے
تلوار کے سائے میں پل کر تیروں سے کھیلا کرتے ہیں

معلوم نہیں کس ذرّے میں کس وقت تجلّی ہو اُن کی
یا مردانِ صحرائے طلب ہر سانس پہ سجدا کرتے ہیں

سوز آبادِ اربابِ وفا دیکھا نہیں تو نے اے دُنیا
تو تیر لئے پھرتی ہے یہاں انگارے برسا کرتے ہیں

جو "انا اعطینا" پہ یقیں رکھتے ہیں سرابِ عالم میں
وہ دریا سے آگے بڑھ کر کوثر پہ قبضا کرتے ہیں

سنگِ اسود معبود اور بندوں میں اک حدِّ فاصل ہے
اہلِ ایماں کعبے کو نہیں، اللہ کو سجدا کرتے ہیں

شہ رگ میں بسنے والے کا منشا، خود ہی شہ رگ کاٹے
یہ وہ منزل ہے جس کے لئے سر والے ترسا کرتے ہیں

کٹنا تھا نہ سر کٹوانا تھا درسِ تسلیم سکھانا تھا
اُن کو تو ہنر دکھانا تھا دیکھو یوں سجدا کرتے ہیں

معصوم و جواں مرنے والے اٹھتے ہیں میرے تصور میں
جب چاند گہن میں آتا ہے جب تارے ڈوبا کرتے ہیں

جو چاہا کیا، جو چاہیں کریں، مختار ہیں وہ دو عالم کے
دریافت کی جرأت کون کرے کیوں کرتے ہیں کیا کرتے ہیں؟

سیمابؔ کوئی سازِ دل کا اب سننے والا ہی نہ رہا
خود چھیڑتے ہیں ہم نغمۂ غم اور خود ہی جھوما کرتے ہیں

(۱۹۴۳ء)

(۳)

ازل سے اہتمامِ امتحانِ ابنِ حیدرؑ تھا | سلامی کربلا کا واقعہ امرِ مقدر تھا
بہت ممتاز یہ اک امتیازِ ابنِ حیدرؑ تھا | کہ بندہ تھا مگر منجملۂ خاصانِ داور تھا
جسے اک بوند پانی مانگنے سے بھی نہیں ملتا | کبھی اُس کا گھرانا باجگیرِ ہفت کشور تھا
علیؓ سے پوچھئے یا پوچھئے عثمانؓ کے دل سے | زمانہ کیوں خلافِ عظمتِ شبیرؑ و شبرؑ تھا
دلِ سیدہؑ جسے دانستہ توڑا اشامِ داوں نے | رسولؐ اللہ کا کاشانہ تھا اللہ کا گھر تھا
غمِ سادات میں رو رو کر آخر ہو گیا خالی | فرات اِس دور کا دریا نہ تھا اک دیدۂ تر تھا
شبِ عشرہ مسلمانوں کے دل تھے فطرتاً زخمی | نویں کا چاند کو خنجر نہ تھا تصویرِ خنجر تھا
سیادت ابتلا میں تھی سیاست ارتقا پر تھی | نظامِ ایامِ ماضی کا غلط ہی کیا غلط تر تھا
وسیع الظرف تھا خمخانہ ساقیٔ شہادت کا | کوئی ہم سن کوئی کم سن مگر حصہ برابر تھا
ستم کہئے اسے فطرت کا یا حسنِ کرم کہئے | جو پیاسے کٹ ہی تھے حلق اُنکا خون سے تر تھا
نہ دیتیں درسِ استقلال اگر سادات کی لاشیں | تو پھر دریائے ہستی میں نہ کشتی تھی نہ لنگر تھا
عجب تقسیم فی التوحید تھی اللہ والوں کی | محبت کیلئے دل تھا شہادت کیلئے سر تھا

در آیا سینۂ اصغرؓ میں تقدیرِ شہادت سے — وگرنہ تیر کا پر کیا کوئی جبریلؑ کا پر تھا

فنا ہو سال بھر میں مٹ گئے قاتل شہیدوں کے — یہ دنیا بھی انھیں کے ساتھ مٹ جاتی تو بہتر تھا

نہ کیوں سیماب ہو قرباں غربتِ فرزندِ کعبہ پر

خدا نا خواستہ کیا میں صنم خانے کا پتھر تھا

۱۹۴۲ء

اصغرؓ و اکبرؓ ہوئے نانا کی اُمت پر فدا

اک جواں ہونے سے پہلے اک جواں ہونے کے بعد

(۴)

سلامی، کربلا، شیر خدا کے جائے جاتے ہیں
ہر اک خیمے میں آثارِ قیامت پائے جاتے ہیں
وہ گرمی کربلا میں ہے کہ جی گھبرائے جاتے ہیں
نہیں ملتا کہیں پانی، پسینے آئے جاتے ہیں
نہاں ہونے کو ہے خورشید دنیائے امامت کا
نمودِ صبح ہے لیکن اندھیرے چھائے جاتے ہیں
نیا دستور ہے ملکِ وفا میں بسنے والوں کا
پیا جاتا ہے خوں، تلوار کے پھل کھائے جاتے ہیں
جنھیں کہتی ہے دنیا کوثر و تسنیم کا ساقی
وہ اک اک بوند پانی کے لئے ترسائے جاتے ہیں
قدم شبیرؑ کے لیتی ہے دولت بھی قیادت بھی
مگر یہ ہیں کہ نظریں پھیر کر ٹھکرائے جاتے ہیں

اسی دریا دلی پر ناز شیں ہیں شام والوں کو!
کہ مہمانوں پہ یہ تیروں کا مینہ برسائے جاتے ہیں

بہن غربت میں کیا دے وقتِ رخصت اپنے بھائی کو
بھتیجے نذر کرنے کے لئے۔ لو آئے جاتے ہیں

شہ دیں کہہ رہے ہیں اکبرؑ و اصغرؑ کی میت پہ
چلو خدمت میں تم ناناؐ کی، ہم بھی آئے جاتے ہیں

معاذ اللہ تسلیم و رضا کا جادۂ مشکل!
زبانیں نکلی پڑتی ہیں، قدم تھرائے جاتے ہیں

اداسی کس قدر سیمابؔ عشرہ کی سحر میں ہے
بقیدِ ضبط بھی آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں

(سنہ ۱۹۳۲ء)

(۵)

سلامی! جہاں جاودانی نہیں ہے — یہاں کون ہے وہ، جو فانی نہیں ہے
زباں مائلِ خوش بیانی نہیں ہے — یہ رودادِ غم ہے، کہانی نہیں ہے
اثر ہے یہ آشوبِ ارضِ بلا کا — کہ اب کوئی رُت ہو، سہانی نہیں ہے
اُدھر سیر سامانیاں، اور دریا — اِدھر پیاس ہی اور، پانی نہیں ہے
کریں رنج شبیرؑ کیوں بیکسی کا — امامت ہے، صاحبقرانی نہیں ہے
یہ ہے انتہا تشنگیٔ حرم کی — اب آنکھوں میں اک بوند پانی نہیں ہے
ترے غم کے ماروں کی شان اللہ اللہ — خیالوں میں بھی شادمانی نہیں ہے
بہاتا ہے کیوں شمر اس کو زمیں پر — ارے خون ہی خون، پانی نہیں ہے
یہ قاسمؑ کی قسمت! یہ تقدیرِ اکبرؑ — جوانی ہے عیشِ جوانی نہیں ہے
یہ عباسؑ کی نامرادی کا عالم! — کہ ہے مشک تر اور پانی نہیں ہے
جوانانِ کعبہ کے ہیں عام جلوے — انھیں فرصتِ لن ترانی نہیں ہے
پریشاں ہوں کیوں تشنہ کامانِ مشہد — یہ کیا ہے جو خنجر میں پانی نہیں ہے

ہے سیماب اک سرخوشی کیفِ غم بھی
مجھے شکوۂ سرگرانی نہیں ہے

یکم محرم الحرام ۱۳۶۲ھ

(۵)

اے مجرئی! جب کعبے والے سجدے کا ارادہ کرلیں گے
محراب بنا کر، خنجر کے سائے میں سجدا کرلیں گے
کرکے عذرِ تقصیر وہاں، اعمال کو رسوا کرلیں گے
جو دنیا میں کچھ کر نہ سکے وہ عقبیٰ میں کیا کرلیں گے

قاسمؓ اور اکبرؓ دونوں میں ہے نورِ نبیؐ کے سینے کا
جنگل کی اندھیری راتوں میں یہ چاند اجالا کرلیں گے

تسلیم و رضا کے بندوں کو ہے چون وچرا سے کیا مطلب
جینا تو گوارا کر ہی لیا، مرنا بھی گوارا کرلیں گے

اے تنگ دلو! جو پیاسے ہیں، اولاد ہیں کوثر والے کی
دریا پہ تمہارا بس ہے تو یہ، کوثر پہ قبضا کرلیں گے

وحدت کے پجاری واقف ہیں کثرت کے سارے بھیدوں سے
آنسو سے پیاس بجھا لیں گے، قطرے کو دریا کرلیں گے

مقتل کی تپتی ریت تو ہے مسجد نہ سہی کعبہ نہ سہی
راہِ حق میں مٹنے والے مٹی پر سجدا کر لیں گے

پردیسی باغِ طیبہ کے ٹھہرے ہیں کوفے میں آ کے
دن کو ہے پہونچنا منزل پر اک رات بسیرا کر لیں گے

بے شک ہے شہادت جنسِ گراں پھر بھی اتنی انمول کہاں؟
سادات کو ہے یہ کام آساں سر دے کر سودا کر لیں گے

کہتے تھے حرم گھر میں لاؤ عباسؑ کے تر مشکیزے کو
ہم حلق تو ٹھنڈا کر نہ سکے آنکھوں ہی کو ٹھنڈا کر لیں گے

افسوس نبیؐ کی امت نے اولادِ نبیؐ کو قتل کیا
اب کس دل سے دنیا والے دنیا پہ بھروسا کر لیں گے

ملت کو فنا کرنے تو چلے شامی نہ مگر اتنا سمجھے
اسلام پہ مر مٹنے والے اسلام کو زندا کر لیں گے

محشر میں دیکھے گی دنیا ایثار پیمبرؐ زادوں کا
ان کو نہ کسی نے اپنایا یہ سب کو اپنا کر لیں گے

تنہا شبیرؑ! ادھر، اُدھر، مجروح بدن، قاتل سر پر!
کتنے ہیں مسلماں جو ایسے طوفان میں سجدا کریں گے

سیماب جما کر ہم نقشِ مشہد کی زمینِ خونیں کا
سُونے دل کی بے رنگی میں سو عالم پیدا کریں گے

(۱۲ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ)

کیا ہے پھر مدِّ نظر فطرت کو تخلیقِ حسینؑ؟
آج ہر گوشہ جہاں کا کربلا انداز ہے

(۵)

دل بھر آیا مجھ کو شبنم کو گریاں دیکھ کر
رو رہی ہے خونچکاں پھولوں کے داماں دیکھ کر

نظر تا پانی کی موجوں میں ہے پیدا پیچ و تاب
نہر پر عباسؓ غازی کو پریشاں دیکھ کر

مسکرا دیتے ہیں وقتِ قتل مردانِ خدا
سر جھکا دیتے ہیں قاتل کو پشیماں دیکھ کر

حضرتِ شبیرؑ کا زخمی بدن یاد آ گیا
داغِ دل تازہ ہوئے سروِ چراغاں دیکھ کر

شامِ ہستی جمع کر لیتی ہے سامانِ جنوں
روزِ عشرہ صبح کا چاکِ گریباں دیکھ کر

نجد قیسِ عامری کو، ماریہ شبیرؑ کو
اپنے دیوانوں کو بخشے ہیں بیاباں دیکھ کر

کشتیِ اسلام کو اب خطرۂ طوفاں نہیں
ساحل آسودہ ہوئی ہے زورِ طوفاں دیکھ کر

بعد ہنگامہ شہیدوں کو بھی یوں نیند آ گئی
جیسے سو جائے کوئی خوابِ پریشاں دیکھ کر

کیا کریں دیرانیِ صبحِ قیامت پر نظر
آ گئے ہیں ہم منظرِ شامِ غریباں دیکھ کر

دیکھنا اب کربلا میں قاسمؓ و اکبرؓ کے ہاتھ
یہ جواں انگڑائیاں لیتے ہیں میداں دیکھ کر

پاؤں میں سجادؑ کے زنجیر ڈھیلی ہو گئی
جب کہا اللہ اکبر سوئے زنداں دیکھ کر

تیر سید نے نہ کھینچا اکبرؓ و اصغرؓ کے بعد
دل کے ٹکڑے یاد آئے نوکِ پیکاں دیکھ کر

جیت لی شبیرؑ نے بازی شہادت گاہ کی ۔۔۔ یوں تو اسمعیلؑ بھی پہونچے تھے آساں دیکھ کر

سرفروشوں کو ضرورت کیا ہے دعوت ہو نہ ہو ۔۔۔ عید ہو جاتی ہے خنجر کو درخشاں دیکھ کر

جائیں گے کعبہ سے ہم سیمابؔ طیبہ کی طرف
آئیں گے پھر روضۂ شاہِ شہیداں دیکھ کر

(۲ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء)

نویدِ امن و یکسوئی ہے جانبازانِ ملت کو
نئی دنیا بسائی ہے میانِ خاک و خوں میں نے

(۸)

آنکھ میں آنسو جگر میں تیر ہے — یہ کسی مظلوم کی تصویر ہے

مجلسِ نصلِ غمِ شبیرؑ ہے — داد میں بھی آہ کی تاثیر ہے

نعشِ اکبرؓ زانوئے شبیرؑ ہے — مرنے والے کی بڑی تقدیر ہے

دارِ فانی میں سکوں کی تشنگی — انتقامِ اصغرؓ بے شیر ہے

یوں بھی پڑھتے ہیں نماز اہلِ نیاز — ہر نفس خاموش اک تکبیر ہے

عشق کی تقدیر مٹ سکتی نہیں — عقل کی تدبیر پھر تدبیر ہے

کٹنے والے کی مقدس زندگی — خود ہی قرآں اور خود تفسیر ہے

ملتِ اسلام کی تخریب میں — ملتِ اسلام کی تعمیر ہے

کیا بڑھے آگے حسینؑ قافلہ — کربلا کی خاک دامن گیر ہے

تھے عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ بھی شہید — فدیۂ اکبر مگر شبیرؓ ہے

خاک پہ ہے لاش ابھی شبیرؑ کی — حشر ہونے میں ابھی تاخیر ہے

جادۂ تسلیم کی وسعت نہ پوچھ — عرش بھی اس راہ سے دو تیر ہے

نوک پر نیزے کی سر شبیرؑ کا — آفتاب حشر کی تصویر ہے

پاؤں میں اک سید بیمار کے — دھوپ میں تپتی ہوئی زنجیر ہے

بالیقیں سیماب یہ ذبح عظیم

خواب ابراہیمؑ کی تعبیر ہے

۱۹۳۲ء

بے تاب و بیکل ہوں، شعلۂ کردار ہوں میں

زندہ ہوں، مگر زیست سے بیزار ہوں میں

سوز غم شبیرؑ ہے سینے میں نہاں

سیماب ہوں اور قاسم انگار ہوں میں

(۹)

سلامیؔ ہوں غمِ آلِ عباؑ میں نوحہ گر اب بھی
ہے تیرہ سو برس کا سانحہ پیشِ نظر اب بھی

مسلط ہے غریبی قہر بن کر نوعِ انساں پر
مدینہ والوں کی غربت کا باقی ہے اثر اب بھی

وہ چہرے وسعتِ کونین میں جن سے اجالا تھا
انہیں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں خورشید و قمر اب بھی

جدھر سے پا بجولاں عترتِ شبیرؑ گزری تھی
ہے زخمِ دیدۂ اہلِ نظر وہ رہگزر اب بھی

ہم اپنے دل میں اکثر درد سا محسوس کرتے ہیں
توجہ اُن کی رہتی ہے ہمارے حال پر اب بھی

خدا ہی جانے کیا اُس واقعے کی اہمیت ہو گی
لرز جاتے ہیں جس کے ذکر سے دیوار و در اب بھی

نیازِ مشربِ شبیرؑ کا ہے پاس فطرت کو
بغیرِ سجدۂ مومن نہیں ہوتی سحر اب بھی

جگر بندانِ حیدرؑ کا لہو چھڑکا گیا جس پر
وہی خاکِ شفا ہے مرہمِ زخمِ جگر اب بھی
مرقعِ منظرِ عالم ہے صبح و شامِ مشہد کا
سحر وحشت فزا ہے شام ہے ویرانہ گر اب بھی
کمر توڑی بھی جسکی ضربِ تیغِ ابنِ حیدرؑ نے
وہی ہے طمطراقِ افسر و تاج و کمر اب بھی
حسین ابن علیؓ کو رحمت تشریف دے یارب
کہ ہیں موجود اس دنیا میں فرزندانِ شر اب بھی
جنھیں جنگل میں لوٹا، بند جن پر کر دیا پانی
انھیں کے ہاتھ میں ہے انتظامِ بحر و بر اب بھی
یہ دورِ انقلاب اک سیزدہ صد سالہ برسی ہے
شہیدوں کا لہو ہے دعوتِ فکر و نظر اب بھی
تہہ خنجر گلا ہو پشت پر ہو پاؤں قاتل کا
جھکا سکتا ہے کیا ایسے کوئی سجدے میں سر اب بھی؟
کہا کرتا ہوں اے سیماب کچھ اشعار سالانہ
کیا کرتا ہوں یادِ رفتگاں مقدور بھر اب بھی

مخمس

کمسن و معصوم ہے دلگیر ہے — بے خطا، بے جرم، بے تقصیر ہے
خشک ہونٹوں پر نشانِ تیر ہے — آنکھ میں آنسو جگر میں تیر ہے
یہ کسی مظلوم کی تصویر ہے

آج غمگیں ہر جوان و پیر ہے — ماتمِ سادات عالمگیر ہے
بزمِ عالم رزم کی تصویر ہے — مجرئی فصلِ غمِ شبیرؑ ہے
واہ میں بھی آہ کی تاثیر ہے

اس طرح مرنے میں اک توقیر ہے — زندگی اس موت کی تعبیر ہے
قابلِ تصویر یہ تصویر ہے — نقشِ اکبرؑ زانوئے شبیرؑ ہے
مرنے والے کی بڑی تقدیر ہے

کربلا کے سانحے کی بے کسی — عرصۂ ہستی پہ ہے چھائی ہوئی
بے سکونی اب بھی طاری ہو رہی — دارِ فانی میں سکوں کی تشنگی
انتقامِ اصغرؑ بے شیر ہے

جن کے دل میں جاودانی ہے گداز　　وقت کا ان کو نہیں کچھ امتیاز
اہلِ دل کی یوں بھی ہوتی ہے نماز　　یوں بھی پڑھتے ہیں نماز اہلِ نیاز
ہر نفس خاموش اک تکبیر ہے

کوششیں انصارؓ نے ہر چند کیں　　تھے بہت آلِ عباؓ اندوہ گیں
تھا مگر ذوقِ شہادت دلنشیں　　عشق کی تقدیر مٹ سکتی نہیں
عقل کی تدبیر پھر تدبیر ہے

مذہبِ آلِ عباؓ توحید تھی　　اور مشرب معرفت اللہ کی
اُن کا ہر قول و عمل تھا ایک ہی　　کعبے والوں کی مقدس زندگی
خود ہے قرآں اور خود تفسیر ہے

نقص کیوں آنے لگا ترتیب میں　　خود ہے قدرت کوششِ تہذیب میں
ہے کچھ ایسی ہی لچک ترکیب میں　　ملتِ اسلام کی تخریب میں
ملتِ اسلام کی تعمیر ہے

ہو گئی کرب و بلا کی انتہا　　آخری منزل ہے دشتِ ماریا
آ گئی جو لانگہِ صبر و رضا　　کیا بڑھے آ گئے حسینیؑ قافلہ
کربلا کی خاک دامنگیر ہے

ہو گئے انصار و یا ور بھی شہید　　اور فرزند و برادر بھی شہید
پھر ہوا سبطِ پیمبرؐ بھی شہید　　تھے عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ بھی شہید

فدیۂ اکبر بگر شبیرؑ ہے

صبحِ عشرہ حشر کی تمہید تھی　　بعد چہلم کے قیامت آئے گی
دیر ہے میت کے اٹھنے میں ابھی　　خاک پر ہی لاش ابھی شبیرؑ کی

حشر ہونے میں ابھی تاخیر ہے

سالکانِ شوق کی ہمت نہ پوچھ　　ان سے بعد و قرب کی غایت نہ پوچھ
ان سے کتنی دور ہے جنت نہ پوچھ　　جادۂ تسلیم کی وسعت نہ پوچھ

عرش بھی اس راہ سے دو تیر ہے

گو بلندی پر ہے انجامِ فنا　　ہیں قیامت واقعاتِ کربلا
دیکھنا اے اہلِ عالم دیکھنا　　نوک پر نیزے کی سر شبیرؑ کا

آفتابِ حشر کی تصویر ہے

امتحاں ہوتے ہیں جب ابرار کے　　دل ہل جاتے ہیں انسان ار کے
سلسلے تو دیکھئے آزار کے　　پاؤں میں اک سیدِ بیمار کے

دھوپ میں تپتی ہوئی زنجیر ہے

نبیؐ کی آلؑ میں رتبہ شہادت کا مقرر تھا یہاں قربانیوں کا سلسلہ جاری برابر تھا
یہی جذبہ شریکِ آفاتِ ابنِ آذر تھا ازل سے اہتمامِ امتحانِ ابنِ حیدرؑ تھا
سلامی کربلا کا واقعہ امرِ مقدر تھا

عرب میں کوئی شاعر تھا کوئی مردِ دلاور تھا ہند میں تھا کوئی کوئی نجومی کوئی بت گر تھا
مگر سبطِ پیمبرؐ مسلک آرائے پیمبرؐ تھا بہت ممتاز یہ اک امتیازِ ابنِ حیدرؑ تھا
کہ بندہ تھا مگر منجملہ خاصانِ داور تھا

بھرا گھر ساتھ ہی پھر بھی سکوں کافی نہیں ملتا یہ خود وارث ہے کوثر کا مگر پانی نہیں ملتا
جواب اس انقلابِ وقت کا کوئی نہیں ملتا جسے اک بوند پانی مانگنے سے بھی نہیں ملتا
کبھی اس کا گھرانہ باج گیرِ ہفت کشور تھا

بنا کرتے ہیں افسانے کبھی اسرارِ محفل سے کبھی ہوتا ہے واقعہ سہو بھی مردانِ کامل سے
تلافی بعض باتوں کی ہوا کرتی ہے مشکل سے علیؑ کرم سے پوچھئے یا پوچھئے عثمانؓ کے دل سے
زمانہ کیوں خلافِ عظمتِ شبیرؑ و شبّرؑ تھا

وفا کی راہ سے منہ اپنا موڑا شام والوں نے　　نیا رشتہ جفا والوں سے جوڑا شام والوں نے
ارے اللہ کا گھر بھی نہ چھوڑا شام والوں نے　　دلِ سیدؑ جسے دانستہ توڑا شام والوں نے
رسولؐ اللہ کا کاشانہ تھا اللہ کا گھر تھا

لبِ دریا ہیں انساں تشنہ حرفِ پامالی　　پئیں چوپائے پانی! بات یہ بھی حیرت والی
ہوا جب غرقِ بحرِ فکر میں لے اس کی تھاہ پا لی　　غمِ سادات میں رو رو کر آخر ہو گیا خالی
فرات اس دور کا دریا نہ تھا اک دیدۂ تر تھا

اثر سے وقت کے ہوتی ہے دنیا لازماً زخمی　　بظاہر شادماں رہتی ہیں حسین باطناً زخمی
نہ تھے جو کربلا میں وہ بھی ہوں گے غالباً زخمی　　شبِ عشرہ مسلمانوں کے دل تھے فطرتاً زخمی
زمیں کا چاند گو خنجر نہ تھا تصویرِ خنجر تھا

نفاق و کفر کی یورش فدایانِ وفا پر تھی　　شرافت کو تنزل تھا سفاہت انتہا پر تھی
نجابت پستیوں میں تھی خباثت اعتلا پر تھی　　سیادت ابتلا میں تھی سیاست ارتقا پر تھی
نظامِ ایامِ ماضی کا غلط ہی کیا غلط تر تھا

بڑی مدت میں دور آیا تھا تحصیلِ مسرت کا　　سبھی کو انتظار اس وقت تھا کیفِ حقیقت کا
منادی اس لئے پیمانہ تھا تقسیمِ نعمت کا　　وسیع الظرف تھا خم تھا نہ ساقی تھا شہادت کا
کوئی ہم سن، کوئی کم سن مگر حصہ برابر تھا

شہیدوں کو دیا تسکین کا پیغام فطرت نے | پلائے شام تک بھر بھر کے رنگیں جام فطرت نے
جو کرنا تھا کیا وہ چھپ چھپا کر کام فطرت نے | لیا کب تشنگی کا اپنے سر الزام فطرت نے

جو پیاسے کٹ رہے تھے حلق انکا خون سے تر تھا

یہ لاشیں رنگ خوں میں ڈوب کر ساداتؑ کی لاشیں | ہوئیں تسلیم کی پیغامبر سادات کی لاشیں
بنیں مہر لہو کی موج پر سادات کی لاشیں | نہ دیتیں درس استقلال اگر ساداتؑ کی لاشیں

تو پھر دریائے ہستی میں نہ کشتی تھی نہ لنگر تھا

کہیں توحید میں تکثیر ممکن ہے خیالوں کی! | الگ ہی محفل کثرت بھی ان وحدت سگالوں کی
موحّد کو نہیں منظور شرکت چند چالوں کی | عجب تقسیم بالتوحید تھی اللہ والوں کی

محبت کے لئے دل تھا شہادت کیلئے سر تھا

بھلا لوہے کا تیر اور سامنا معصوم ملت سے! | شکن ابرو پہ پڑ جاتا تو کٹ جاتا ندامت سے
ہوئی تھی اس کو یہ جرأت مشیت کی اجازت سے | در آیا سینۂ اصغرؑ میں تقدیر شہادت سے

وگرنہ تیر کا پر کیا کوئی جبریلؑ کا پر تھا!

مقلد اب بھی اس عالم میں باقی ہیں پلیدوں کے | جو تھا پیروں کا مسلک ہیں وہی سنّی مریدوں کے
نہ پڑتا کار دنیا ہاتھ میں زندہ یزیدوں کے | سنا ہے سال بھر میں مٹ گئے قاتل شہیدوں کے

یہ دنیا بھی انھیں کے ساتھ مٹ جاتی تو بہتر تھا

نہیں ہے کون غمگیں رخصتِ فرزندِ کعبہ پر		زمانہ خونفشاں ہے حسرتِ فرزندِ کعبہ پر

ہے کعبہ خود بھی نالاں رحلتِ فرزندِ کعبہ پر		نہ کیوں سیماب روتا غربتِ فرزندِ کعبہ پر

خدا نا خواستہ کیا میں صنم خانے کا پتھر تھا!

۱۹۳۲ء

روداد جلسہ دردِ نہانی نہ ہوئی

درد کی نار دل کی زبانی نہ ہوئی

ان نے سرگذشت اپنی اے سیماب

نیاب سرکی بیتی کہانی نہ ہوئی

رباعیات

خونِ شبیرؑ کربلا میں ہوگا
ذرّوں میں نہیں ہوگا تو ہواؤں میں ہوگا
بارش سے جو دھل گئیں یہ آیتیں بھی کبھی
محفوظ ابھی ذہنِ خدا میں ہوگا

شیون شور اور شین باقی ہے ابھی
لوگوں کی زباں میں بین باقی ہے ابھی
دُنیا کی مصیبتیں نہیں ختم ہنوز
دنیا میں کہیں حسینؑ باقی ہے ابھی

تشہید سے شہید لازم ہی تو ہے
توحید کا یہ ستون قائم ہی تو ہے
اسلام ہے معنًا بھی شہادتِ شبیر
اس کا سبب انتقام مسلّم ہی تو ہے

اب ہیں نہ وہ شامی و عراقی باقی
آخر نہ رہی وہ طمطراقی باقی
زندہ ہیں حسینؑ مٹ گیا نام یزید
فانی فانی ہے اور باقی باقی

جو مردِ خدا شہید کہلاتے ہیں
قرباں ہونے سے وہ کہیں باز آتے ہیں
ہر سال حسینؑ مختلف رنگوں میں
پیدا ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں

پیدا وہ جبیں کر جو لرز کر نہ جھکے
جو غیرِ خدا کسی کے در پہ نہ جھکے
معنی ایمان و استقامت کے یہ ہیں
کونین کا بار سر پہ ہو سر نہ جھکے

سر وہ ہی جو رب کی راہ پر جھک جائے
موقع نہ ہو جھکنے کا اگر جھک جائے
جب وقتِ نماز و قتل اک ساتھ آئے
تلوار اٹھنے سے پہلے سر جھک جائے

اِس وقت مسلمان ریاکار بھی ہے
پندار و نمود میں گرفتار بھی ہے
ہے نامِ حسینؑ اب بھی لاکھوں کا مگر
ان میں وہ حسینؑ کا سا کردار بھی ہے؟

اعلانِ وفارِ شخصیت عام ہے آج　　لوگوں کو نمود و نام سے کام ہے آج
اب اس کی جگہ زبان ہے دل میں نہیں　　اسلام برائے نام اسلام ہے آج

خود کو ہر دل کا حسین کہتے پھرتے　　جانِ شہِ مشرقین کہتے پھرتے
اللہ کا گھر میں نہ کبھی لیجئے نام　　بازاروں میں یا حسین کہتے پھرتے

کفارِ قریش کا کبھی سر توڑا　　تلوار کی زد سے سرِ عنتر توڑا
تکبیر کی قوت ید اللّٰہی نے　　اک ضرب لگا کر درِ خیبر توڑا

ملت کو غلط فہمیوں نے لوٹا ہے　　باطل ہے یہ جوش و ولولہ جھوٹا ہے
تکبیر تو بار ہا کہی ہے لیکن　　تم سے کوئی تنکا بھی کبھی ٹوٹا ہے؟

اب قوم نسائیت کی شیدائی ہے　　ماتم میں بھی اک ادائے رعنائی ہے
لب سرخ ہیں، پیرہن ہے ہر دل شاداب　　کیا فصلِ محرم میں بہار آئی ہے

اب اس میں ریا بھی ہے انانیت بھی　　اس قوم پر افسوس بھی ہے حیرت بھی
پیاسوں کی شہادت کا ہے نوحہ لب پر　　اور برف کیا ٹھنڈا دودھ کا شربت بھی!

مجلس ہوتی ہے حسنِ منظر کے لئے　　لگ جاتی ہے اک بھیڑ گھڑی بھر کے لئے
سب جانتے ہیں آئی ہیں پرسا دینے　　اور آتے ہیں لوگ لقمۂ تر کے لئے

یہ بے عملی ہند کی وسعت ہی میں ہے　　پستی مرے وطن کی قسمت ہی میں ہے
تیرہ صدیاں گذر چکی ہیں لیکن　　اسلام یہاں عہدِ جہالت ہی میں ہے

مسلک میں جو تغییر نہیں ہو سکتی — اصلاح کی تدبیر نہیں ہو سکتی
گزریں تیرہ ہزار صدیاں بھی تو کیا — اس قوم کی تعمیر نہیں ہو سکتی

سب اسوۂ شبیرؑ کی تائید کریں — باطل کی بغیر خوف تردید کریں
جس جوش سے کرتے ہیں مسلماں تعزیہ — اے کاش اسی جوش سے تقلید کریں

تقلید حسینؑ نفس کی قربانی — تائید حسینؑ راسخ الایمانی
اس سے بھی بلند اور اک منزل ہے — ادراک صحیح عظمت انسانی

فکر و طلب شہید باقی ہے ابھی — شبیرؑ کی بازدید باقی ہے ابھی
ہے منتظر سجدۂ ثانی مشہد — شور ہل من مزید باقی ہے ابھی

نیزے پہ سرِ امام بالا ہی رہا — پا بہ سر و پا برہنہ فرشِ اعدا ہی رہا
اللہ رے رفعتِ حسینؑ ابنِ علیؑ — سر دے کے بھی سرکشوں سے اونچا ہی رہا

جب راہِ خدا میں دل کی دل چلتے ہیں — بے پاؤں بھی مردانِ عمل چلتے ہیں
نیزے پہ چلا سر تو کہا ہاتف نے — یوں راہِ وفا میں سر کے بل چلتے ہیں!

اک دن روزِ حساب آجائیگا — ظالم کے لئے عذاب آجائیگا
تصویرِ سرِ شاہ کی بن کر تقدیر — اک نیزے پہ آفتاب آجائیگا

سب مانتے ہیں عقدہ کشائی اس کی — سب جانتے ہیں بے سر و پائی اس کو
سر تن سے الگ ہوا تو پھر مل نہ سکا — کہتے ہیں سر و تن کی جدائی اس کو

سر دیجے بھی سرِ دفترِ احرار یہ ہیں　　حق اور انا الحق کے سزاوار یہ ہیں
منصور کہاں کہاں حسینؑ سرباز　　وہ تھا سردار اور سردار یہ ہیں

ہے نوکِ سناں پہ سر کہ تاجِ حسینؑ　　کیا اوج پہ ہے جذبۂ موّاجِ حسینؑ
دیکھی تھی فرشتوں نے نبیؐ کی معراج　　دنیا نے مگر دیکھ لی معراجِ حسینؑ

سنہ ۱۳۶۲ھ